عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ

ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد:۲۶ | ۵/تا۱۰/صفر۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴تا۲۸/فروری ۲۰۰۷ء | شمارہ:۸

قیمت: ۷ روپے

آخرت کی تجارت

عقیدہ ختم نبوت اور اُمّت کی ذمّہ داریاں

ذکرِ اللہ کی فضیلت و حقیقت

جھوٹے نبیوں کی آمد کیوں؟

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http//WWW.khatme-nubuwwat.org
http://WWW.khatme-nubuwwat.com

قادیانی دجل:

س:...... قادیانیوں کو غیر مسلم کیوں قرار دیا جاتا ہے' میرا ایک دوست جو قادیانی ہے' ان کا کہنا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں جبکہ امام مہدی کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو ہمارا ہے' تو کیا وجہ ہے کہ یہ غیر مسلم ہیں؟ اس بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

ج:...... میرے عزیز! یہ قادیانیوں کا دجل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں' وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں' غلام احمد قادیانی کو آخری نبی مانتے ہیں۔ چلو اگر ایک منٹ کے لئے ان کی یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے تو پھر قادیانیوں کے ابا غلام احمد نے اپنے لئے الگ مذہب کیوں بنایا اور یہ کیوں کہا کہ: ''مجھے سب لوگوں نے مانا مگر کنجریوں کی اولاد نہیں مانتی۔'' (آئینہ کمالات اسلام ص:۵۴۷' روحانی خزائن ج:۵' نجم الہدیٰ ص:۵۳' ج:۴) اور مرزا جی کے دوسرے جانشین اور بیٹے مرزا محمود احمد نے یہ کیوں فرمایا کہ: ''کل مسلمان جو مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے' خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی سنا' وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔'' (آئینہ صداقت ص:۵۳) اسی طرح وہ اپنی دوسری کتاب آئینہ صداقت میں لکھتا ہے: ''ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں' اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں' کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا کے ایک نبی (مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں' یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اختیار نہیں کہ کچھ کرسکے۔'' (ص:۹۰)

رہی یہ بات کہ وہ مسلمانوں کا کلمہ کیوں پڑھتے ہیں؟ اس کی وجہ بھی خود مرزائیوں کے امام کی زبانی سنئے کہ وہ کلمہ پڑھتے وقت بھی ''محمد رسول اللہ'' سے مراد مرزا قادیانی لیتے ہیں' چنانچہ مرزا غلام احمد کا بیٹا بشیر احمد ''کلمۃ الفصل'' ص:۱۵۸ پر لکھتا ہے: ''پس مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے' اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں ہے' ہاں اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔'' نعوذ باللہ قادیانی مرزا غلام احمد قادیانی کو بعینہ

مولانا سعید احمد جلال پوری

محمد رسول اللہ مانتے ہیں اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ کی ختم نبوت کے قائل ہیں' صرف یہی نہیں بلکہ مرزا غلام احمد کو نہ ماننے والے مسلمانوں کے بارہ میں خود مرزا کا ارشاد ہے کہ: ''جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی و مشرک رکھا گیا۔'' (نزول المسیح ص:۴' حاشیہ روحانی خزائن ص:۳۸۲ ج:۱۸)

مرزا غلام احمد اپنی تعلیم اور وحی کو تمام انسانوں کے لئے مدار نجات قرار دیتے ہوئے کہتا ہے:

الف:...... ''ان کو کہہ دو کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا کہ خدا بھی تم سے محبت کرے۔'' (حقیقۃ الوحی ص:۸۲)

ب:...... چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہیں اور نہی بھی اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے' اس لئے خدا تعالیٰ نے میری تعلیم کو اور اس تعلیم کو جو میرے اوپر ہوتی ہے' فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا...... اب دیکھو! خدا نے میری وحی اور میری تعلیم اور میری بیعت کو نوح کی کشتی قرار دیا اور تمام انسانوں کے لئے مدار نجات ٹھہرایا' جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جس کے کان ہوں سنے۔'' (اربعین ۴' ص:۷' حاشیہ)

ان تفصیلات کے بعد آپ ہی بتلائیں کہ قادیانی مسلمان ہیں یا کافر؟ قادیانیوں کو مسلمانوں نے آئینی طور پر کافر قرار دلانے میں تو سو سال محنت کی مگر قادیانیوں نے تو روز اول سے ہی مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا تھا' جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

غرضیکہ قادیانیوں سے مسلمانوں کا ایک آدھ مسئلے میں نہیں بلکہ مکمل اختلاف ہے اور قادیانی' مسلمانوں سے بالکل الگ اور جدا مذہب رکھتے ہیں' یہ اسلام کے باغی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں' مسلمانوں کا یہ مطالبہ تھا اور ہے کہ قادیانی' مسلمانوں کو دھوکا نہ دیں بلکہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ امت کہیں' ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے' لیکن اگر وہ اپنے کفریہ عقائد کو اسلام باور کرائیں گے تو ہم بھی ان کا تعاقب جاری رکھیں گے اور مسلمانوں کو بتلائیں گے کہ قادیانیوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ پیشاب پر زمزم کا اور سور کے گوشت پر بکری کے گوشت کا لیبل لگا کر مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

ہفت روزہ ختم نبوۃ

جلد:۲۶ شمارہ:۸ ۱۰تا۱۵/صفر۱۴۲۸ھ مطابق ۲۲تا۲۸/فروری۲۰۰۷ء

سرپرست

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا اللہ وسایا

اس شمارے میں

بے جا مروت وا اعتماد!	اداریہ	۴
ذکر اللہ کی فضیلت و حقیقت	قاری محمد عابد	۷
آخرت کی تجارت	مولانا اشرف علی تھانوی	۹
عقیدۂ ختم نبوت اور امت کی ذمہ داریاں	مولانا سعید احمد پالن پوری	۱۱
قرآن کی تلاوت مصائب میں ذریعہ سکون	عمار بکار	۱۳
تاریخ اسلام کے دریچوں سے	مولانا شمس الحق ندوی	۱۵
حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت	ابو شفقت قریشی سہام	۱۷
علم کا مصداق	مفتی شعیب احمد بستوی	۱۹
اللہ کی راہ میں خرچ کی فضیلت	ابو صالح	۲۳
شکر کی حقیقت	ابو فضیل احمد خان	۲۵

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ

محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

مجلس ادارت

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر — مولانا سعید احمد جلالپوری

علامہ احمد میاں حمادی — صاحبزادہ مولانا عزیز احمد

صاحبزادہ سید محمد سلیمان بنوری — مولانا بشیر احمد

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی — مولانا قاضی احسان احمد

سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا — کمپوزنگ: محمد فیصل عرفان

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ • منظور احمد میو ایڈووکیٹ

زر تعاون بیرون ملک: امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۰ ڈالر۔
یورپ، افریقہ: ۷۰ ڈالر۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات،
بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۰ امریکی ڈالر
زر تعاون اندرون ملک: فی شمارہ: ۷ روپے۔ ششماہی: ۱۷۵ روپے۔ سالانہ: ۳۵۰ روپے
چیک۔ ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت۔ اکاؤنٹ نمبر 8-363 اور
اکاؤنٹ نمبر 2-927 الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی۔ فون: ۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat(Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road.Karachi.
Ph: 2780337 Fax: 2780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۴۵۱۴۱۲۲-۴۵۸۳۴۸۶ فیکس: ۴۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road, Multan
Ph: 4583486-4514122 Fax: 4542277

لندن آفس:
35,Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.k.
Ph: 0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری طابع: سید شاہد حسین مطبع: القادر پرنٹنگ پریس مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا سعید احمد جلال پوری

جھوٹے نبیوں کی آمد کیوں؟

جھوٹے نبی کیوں پیدا ہوئے؟ ان کی ابتدا کب ہوئی؟ کیا یہ امت کی کسی عملی کوتاہی کا نتیجہ ہے؟ کیا ان کی پیدائش کا سدِّ باب ممکن نہیں؟ اگر ایسا کچھ ہو جاتا تو کیا امت ان کے شر سے محفوظ نہ ہو جاتی؟ یہ اور اس قسم کے دوسرے سوالات عام طور پر دین دار مسلمان کیا کرتے ہیں' لہٰذا اس سلسلہ میں درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

اول:...... جھوٹے نبیوں کی آمد قربِ قیامت کی علامت ہے' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خود پیشگوئی فرمائی تھی کہ: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں' جیسا کہ ابوداؤد میں ہے:

''عن ثوبان رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔'' (ابوداؤد ص:۲۲۸' ج:۲' واللفظ لہ' ترمذی ص:۴۵' ج:۲)

ترجمہ: ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے...... ان میں سے...... ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں' حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔''

جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جھوٹے نبیوں کا پیدا ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی صداقت کی دلیل ہے' اس لئے اگر خدانخواستہ یہ جھوٹے نبی نہ آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی جھوٹی ہوتی' اور اللہ کے نبی کی کوئی بات اور پیش گوئی جھوٹی نہیں ہو سکتی' لہٰذا یہ کہنا کہ: ''جھوٹے نبی کیوں پیدا ہوئے؟ اس حدیث اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی تکذیب کے مترادف ہے۔

دوم:...... جھوٹے نبیوں کے پیدا ہونے سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش گوئی فرمانا امورِ تکوینیہ میں سے ہے' اور آپ جانتے ہیں کہ تکوینیات میں انسانی اختیار اور عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا' ان پر ایمان لانا اور اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اس سلسلہ کی مساعی بجا لانا ہی ایک مسلمان کا فرض ہے' اور بس!

اگر جھوٹے نبیوں کے سدِ باب کی کوئی شکل ہوتی یا ایسا ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرما دیتے کہ جھوٹے نبیوں کی آمد اور پیدائش روکنے کے لئے فلاں فلاں عمل اپنایا جائے' مگر ذخیرۂ حدیث میں ایسا کچھ نہیں ملتا۔

سوم:...... جھوٹے مدعیانِ نبوت کی تاریخ کا مطالعہ فرمایئے! تو اندازہ ہوگا کہ ان میں سے بعض بدبختوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی دعویٰ نبوت کر دیا تھا' چنانچہ اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب ملعون نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے آخری دنوں میں یہ ڈھونگ رچا کر یمن اور یمامہ کے لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھانسنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

الف:...... سب سے پہلے اسود عنسی نے ارتداد کی راہ اپنا کر دعویٰ نبوت کیا تھا' جیسا کہ علامہ ذہبیؒ کی تاریخ اسلام میں ہے:

''عن الضحاک بن فیروز الدیلمیؓ عن ابیہ قال: اول ردۃ کانت فی الاسلام علی عہد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی ید عبھلۃ بن کعب وھو الاسود ...... خرج بعد حجۃ الوداع......'' (تاریخ اسلام ذہبی ص:۱۵' ج:۳)

ترجمہ: ''ضحاک بن فیروز دیلمیؒ اپنے والد حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: اسلام میں سب سے پہلا ارتداد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا' وہ عبھلہ بن کعب کے ارتداد کی شکل میں صادر ہوا اور وہ اسود عنسی تھا...... جس کا خروج حجۃ الوداع کے بعد واقع ہوا......''

اس کی مزید تفصیلات متعدد کتب حدیث کے علاوہ مستند تواریخ میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں' تاہم اس سلسلہ میں علامہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ'' میں جو کچھ لکھا ہے' بحوالہ ''عہد نبوت کے ماہ و سال'' حسب ذیل ہے:

''اسی سال (۱۱ھ۔ ناقل) صفر میں اسود عنسی کذاب' جس کا ذکر سن دس ہجری کے ذیل میں گزر چکا ہے' حضرت فیروز رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جہنم رسید ہوا' فیروز رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کی مہم پر روانہ فرمایا تھا' فیروزؓ اس کے شہر صنعاء یمن

میں پہنچ کر چھپ گئے‘ رات کے وقت اسود کے مکان کو نقب لگائی اور اسے قتل کر دیا‘ جبکہ اس کے دروازے پر ایک ہزار آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ فیروز رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجی‘ مگر قاصد کے مدینہ پہنچنے سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا‘ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وصال سے ایک دن رات قبل بذریعہ وحی اس کا علم ہو چکا تھا‘ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو بتایا تھا کہ آج اسود عنسی قتل کر دیا گیا‘ اسے مبارک آدمی نے قتل کیا ہے‘ جو مبارک گھرانے کا ایک فرد ہے‘ عرض کیا گیا: وہ کون صاحب ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: وہ فیروز دیلمی ہیں‘ اس کے بعد فرمایا: ”فاز فیروز“ فیروز کامیاب ہو گیا۔ گارزنی اپنی سیرت میں لکھتے ہیں کہ: ”اسود کے ظہور اور قتل کے مابین صرف چار ماہ کا عرصہ گزرا۔“ (بذل القوہ ص:۳۰۵‘۳۰۶‘ عہد نبوت کے ماہ و سال ص:۲۰۶‘۲۰۷)

ب:...... جیسا کہ گزشتہ سطور سے معلوم ہو چکا ہے کہ اسود عنسی ملعون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں مرتد ہو کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا‘ جو دراصل اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کھلی بغاوت تھی‘ لہٰذا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے چین و مضطرب ہونا بالکل فطری تھا‘ کیونکہ اسود عنسی کا دعویٰ نبوت دراصل منصب نبوت و رسالت اور تاج ختم نبوت پر ڈاکا ڈالنے کے مترادف تھا‘ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی‘ قلبی اور شدید روحانی اذیت پہنچی تھی۔ جب حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اسود عنسی کو کیفر کردار تک پہنچا کر آپ کی راحت رسانی کا انتظام کیا تو انہیں لسانِ نبوت سے: ”فـــاز فیروز“...... فیروز کامیاب ہو گیا...... کی بشارت سے نوازا گیا۔

”عن ابن عمر قال اتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخبر من السماء اللیلۃ اللتی قتل فیھا الاسود العنسی‘ فخرج علینا فقال: قتل الاسود البارحۃ قتلہ رجل مبارک من اھل بیت مبارکین‘ فقیل من ھو؟ قال: فیروز الدیلمی۔“ (کنز العمال ص:۵۷۲‘ ج:۱۳‘ اتحاف السادہ ص:۱۸۰‘ ج:۷)

ترجمہ:...... ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس رات اسود عنسی کو قتل کیا گیا‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دے دی گئی تھی‘ آپؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: گزشتہ رات اسود عنسی کو قتل کر دیا گیا‘ اس کو مبارک گھر والوں میں سے ایک مبارک شخص نے قتل کیا ہے‘ آپؐ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ فیروز دیلمی ہے۔“

چنانچہ ارباب علم و تحقیق اور اصحاب تاریخ و سیر نے لکھا ہے کہ اسود عنسی نے جب حجۃ الوداع کے بعد مرتد ہو کر دعویٰ نبوت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں موجود حضرات صحابہ کرامؓ کو اس فتنہ کی سرکوبی کی طرف متوجہ کیا‘ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے صفر ۱۱ھ کے آخر میں اس کے مکان میں نقب لگا کر اس کا کام تمام کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی اطلاع بھیج دی‘ ابھی تک حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کا قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں پہنچ پایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے‘ مگر بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فیروز دیلمیؓ کے اس عظیم کارنامہ کی اطلاع کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حین حیات حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ کو: ”فاز فیروز“ کی سند و اعزاز سے نواز دیا۔

اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لئے بلاذری کی فتوح البلدان‘ تاریخ طبری‘ تاریخ خلیفہ‘ علامہ ذہبیؒ کی تاریخ اسلام‘ ابن اثیرؒ کی کامل‘ ابن قتیبہ کی معارف‘ ابن خلکان کی وفیات الاعیان‘ زرکلی کی اعلام‘ ابن کثیر کی بدایہ والنہایہ اور ابن حجرؒ کی الاصابہ وغیرہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

چہارم:...... اسی طرح مسیلمہ کذاب نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں دعویٰ نبوت کیا تھا‘ اور اس نے آپ کو نہ صرف یہ کہ خط لکھا تھا‘ بلکہ وہ خود اس دعویٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر بھی ہوا تھا۔

مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر‘ نجد کے علاقہ یمامہ کا تھا‘ وہیں پیدا ہوا‘ پلا‘ بڑھا‘ جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوا اور مکہ فتح ہوا اور بنوحنیفہ کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو مسیلمہ بھی ساتھ آیا‘ مگر یہ بدبخت‘ خدمت نبویؐ میں حاضر نہیں ہوا‘ بلکہ مکہ مکرمہ سے باہر جہاں بنوحنیفہ کے وفد کا سامان اور سواریاں ٹھہرائی گئی تھیں‘ وہاں بیٹھا رہا۔

جب بنوحنیفہ کے وفد نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے مسیلمہ کے بارہ میں بھی راہنمائی چاہی‘ آپؐ نے بنوحنیفہ کے وفد کو جو کچھ تلقین فرمایا تھا‘ وہی کچھ مسیلمہ کے بارہ میں بھی ارشاد فرمایا۔ یہاں سے واپسی پر مسیلمہ کذاب نے یمامہ کے لوگوں کو کہنا شروع کر دیا کہ نعوذ باللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی اپنی نبوت میں شریک کر لیا ہے اور میں بھی نبی ہوں‘ چنانچہ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے نہ صرف یمامہ کے لوگوں کو گمراہ کیا‘ بلکہ اس ملعون و بدبخت نے سن دس

ہجری کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بایں مضمون خط بھی لکھا:

’’من مسیلمة رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ‘ سلام علیک‘ اما بعد! فانی قد اشرکت فی الامر و ان لنا نصف الامر و لقریش نصف الامر‘ لکن قریش قوم یعتدون۔‘‘ (دلائل النبوۃ ص:۳۳۱ ج:۵)

ترجمہ:…… ’’یہ خط ہے مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام‘ بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے تمہاری نبوت میں مجھے بھی شریک کردیا‘ اس لئے آدھی زمین تمہاری‘ آدھی میری (مل کر کھائیں گے)‘ لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں (کہ مجھے اس میں شریک نہیں کرتے)۔‘‘

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب بھی لکھا جس کے الفاظ تھے:

’’من محمد رسول اللّٰہ الیٰ مسیلمة الکذاب‘ سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ‘ اما بعد! فان الارض للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین۔‘‘ (دلائل النبوۃ ص:۳۳۱ ج:۵‘ کنز العمال ص:۲۰۱ ج:۱۳‘ حدیث:۳۸۳۸۶)

ترجمہ:…… ’’محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام‘ اما بعد! زمین اللہ کی ہے‘ اللہ جس کو چاہتا ہے‘ اس کا وارث بنادیتا ہے‘ اور اچھا انجام متقیوں کے لئے ہے۔‘‘

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات میں اس شجرہ خبیثہ کی بیخ کنی کا موقع میسر نہیں آسکا‘ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کمان میں مسیلمہ کذاب کے اس فتنہ ارتداد کا قلع قمع کیا‘ اس موقع پر ۱۲سو صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے جام شہادت نوش کیا‘ جبکہ مسیلمہ اپنے ۲۰ ہزار فوجیوں سمیت حدیقة الموت میں جہنم رسید ہوا اور اُسے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے ہی موت سے دوچار کیا۔ دیکھئے زرکلی کی اعلام‘ سیرۃ ابن ہشام‘ روض الانف‘ کامل ابن اثیر‘ بدایہ والنہایہ‘ شذرات الذہب‘ تاریخ خمیس اور بلاذری کی فتوح البلدان وغیرہ۔

پنجم:…… اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نام بنام بھی اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کے ظہور کی نشان دہی فرمائی ہے‘ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

’’عن ھمام انه سمع ابا ھریرة رضی اللّٰہ عنه یقول قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بینا انا نائم اُتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علیّ فاوحی الیّ ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھا الکذابین الذین انا بینھما‘ صاحب الصنعاء و صاحب الیمامه۔‘‘ (صحیح بخاری ص:۶۲۸ ج:۲ مطبع نور محمد کراچی)

ترجمہ:…… ’’حضرت ہمام بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا‘ آپؓ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس دوران کہ میں نیند میں تھا‘ زمین کے خزانے مجھے دیئے گئے‘ پس میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن رکھے گئے‘ جب ان کا میرے ہاتھوں میں ہونا مجھے ناگوار گزرا تو…… خواب میں ہی…… بذریعہ وحی مجھے بتلایا گیا کہ میں ان کو پھونک مار کر اُڑادوں‘ پس میں نے انہیں پھونک مار کر اُڑایا تو وہ اُڑ گئے‘ پس میں نے اس کی تعبیر دی کہ اس سے مراد وہ دو جھوٹے ہیں‘ میں جن کے درمیان ہوں‘ ان میں سے ایک صاحب صنعا (اسود عنسی) اور دوسرا صاحب یمامہ (مسیلمہ کذاب) مراد ہے۔‘‘

یہی روایت کسی قدر الفاظ کے اختلاف کے ساتھ صحیح بخاری ص:۶۲۹ ج ۲ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں طلیحہ اسدی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا‘ جو اگرچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا تھا۔ (اعلام زرکلی ص:۲۳۰ ج:۳)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت ڈاکٹر محمد صابر صاحب کی علالت

سلسلۂ تھانوی کے شیخ طریقت اور حضرت اقدس حاجی محمد فاروق صاحبؒ (سکھر) کے جانشین وخلیفہ مجاز حضرت ڈاکٹر محمد صابر مدظلہ العالی شدید علیل ہیں اور کراچی میں سول ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ قارئین ختم نبوت سے درخواست ہے کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کی جلد از جلد صحت یابی کے لئے خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور ان کے فیوض وبرکات سے ان کے احباب ومریدین کو مالا مال فرمائے۔ آمین۔

ذکر اللہ کی فضیلت وحقیقت

محترم قاری محمد عابد

اللہ جل شانہ ایسی منعم حقیقی ذات ہے کہ اس کا ذکر جتنا بھی زیادہ کیا جائے' اتنا ہی کم ہے۔ اس ذات پاک کے انعامات واحسانات اپنے بندوں پر ہر آن اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ مثال۔ کائنات کی ہر شے اللہ رب العزت کی پاکی بیان کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ پرندے' درخت اور پودے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور چلتا ہوا پانی اللہ کا ذکر کرتا ہے' جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہے:

"دنیا میں ہر چیز اللہ کی پاکی (تسبیح) بیان کرتے ہیں مگر تم لوگ ان کی تسبیح سمجھتے نہیں۔"

جب کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ جل شانہ کے ذکر میں لگا ہوا ہو' انسان کو تو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اس کو بدرجہ اولیٰ اللہ کے ذکر میں لگنا چاہئے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں کی جاتی' بلکہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ ایک وہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو' دوسرے مظلوم' تیسرے وہ بادشاہ جو ظلم نہ کرتا ہو۔ (جامع الصغیر)

اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

"پس تم میری یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو۔" (البقرہ)

اللہ کا پاک نام ہی ایسی چیز ہے جو دلوں کا سرور اور طمانیت کا باعث ہے' جیسے خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔" (الرعد)

عقلمند لوگوں کا ذکر فرمایا:

"وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور غور کے بعد یہ کہتے ہیں) کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا' ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں' آپ ہم کو عذاب جہنم سے بچالیجئے۔" (آل عمران)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ ادھر متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔"

(فضائل ذکر' رواہ احمد والبخاری)

ایک انسان ہی ہے جو اپنے مالک حقیقی اور خالق حقیقی کو بھول جاتا ہے' لیکن اللہ ایسے مہربان ہیں کہ وہ اپنے بندے کو نہیں بھولتے۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاٹھی سے پتھر کے دو ٹکڑے ہوئے اندر سے ننھا سا کیڑا نکلا' جس کے ہاں غذا کا انتظام بھی ہے اور ساتھ کہہ رہا ہے: پاک ہے وہ اللہ جو مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے رہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور مجھے روزی دیتا ہے اور مجھے کبھی نہیں بھولتا۔

اللہ رب العزت کی ذات عالی جب پتھر میں کیڑے کو نہیں بھولتی تو انسان جس کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا ہے اس کو کیسے بھول جائیں گے' وہ تو ایسا کریم رب ہے جب کوئی اسے یاد کرے تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے' اگر کوئی اسے نہ بھی یاد کرے تو وہ پھر بھی اپنے بندے کو یاد کرتا ہے' اور جو بندے اپنے مولیٰ کو یاد کریں ان کا کیا ہی کہنا' جیسے سورۂ سجدہ میں ارشاد فرمایا:

"ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہنے میں اس طرح کے عذاب کے ڈر سے اور رحمت کی امید سے وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں' پس کسی کو بھی خبر نہیں

کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانہ غیب میں محفوظ ہے جو بدلہ ہے ان کے اعمال کا۔" (السجدہ)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ آخر شب میں اللہ کے یہاں بہت مقرب ہوتا ہے اگر تجھ سے ہو سکے تو اس وقت اللہ کا ذکر کیا کر۔ (جامع الصغیر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا' ان دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔ (بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہوگا' بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔ (طبرانی)

اللہ جل شانہ نے دنیا کو دارالعمل بنایا ہے' یہاں سے انسان جتنے بھی زیادہ اعمال کر کے لے جائے' آخرت میں ان کو اتنا ہی تھوڑا سمجھے گا' پھر کیوں نہ آدمی ہر آن ہر گھڑی اپنے رب کو یاد کرے' جس کی نعمتیں اور رحمتیں بھی ہر وقت اپنے بندوں پر برستی ہیں' جن کو کوئی شمار بھی نہیں کر سکتا' ورنہ دارالجزاء میں اپنی کمائی کے نقصان پر جو حسرت اور افسوس ہوگا وہ بیکار ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے منبہات میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ اپنی مناجات میں کہا کرتے تھے: یا اللہ رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ اور دن اچھا معلوم نہیں ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ اور جنت میں لطف نہیں مگر تیرے دیدار کے ساتھ۔ (فضائل ذکر)

جس طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے میں دنیا و آخرت کا فائدہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی ذات سے غفلت برتنے میں دونوں جہانوں میں نقصان کا ذریعہ بھی ہے۔

حکیم ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کو تر کرتا ہے اور نرمی پیدا کرتا ہے اور جب دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے تو نفس کی گرمی اور شہوت کی آگ سے خشک ہو کر سخت ہو جاتا ہے اور سارے اعضاء خشک ہو کر سخت ہو جاتے ہیں' طاعت سے رک جاتے ہیں' مگر ان اعضاء کو کھینچو تو ٹوٹ جائیں گے جیسے خشک لکڑی کہ جھکانے سے نہیں جھکتی صرف کاٹ کر جلا دینے کے کام کی رہ جاتی ہے۔ (فضائل ذکر)

جب شیطان انسان کو غافل دیکھتا ہے تو اپنی سونڈ کے ذریعے انسان کے دل میں وساوس اور گناہوں کا زہر بھرنے لگتا ہے اور جس وقت انسان کو ذاکر پاتا ہے شرمندہ اور ذلیل ہو کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"جو شخص رحمان کے ذکر سے (جان بوجھ کر) اندھا ہو جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پس وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے۔" (سورۂ زخرف)

صرف تسبیح ہاتھ میں لے کر اللہ اللہ کرنے کا نام ہی ذکر نہیں ہے' بلکہ نماز پڑھنا اللہ کا ذکر ہے' قرآن مجید کی تلاوت کرنا ذکر ہے' مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اور باہر نکلتے وقت دعا کا پڑھنا ذکر ہے' غرض یہ کہ ہر ذکر موقع و محل میں داخل ہے۔

بہر حال اللہ کا ذکر بہت بڑی دولت ہے' اللہ پاک ہمیں فضائل کے استحضار کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اگر اللہ عزوجل کی توفیق شامل حال نہ ہو تو کسی برائی سے بچنا اور نیکی پر عمل کرنا دشوار ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

☆☆.........☆☆

بقیہ: علم کا مصداق

حدیث باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں۔

اور اس کتاب کے محقق ڈاکٹر نورالدین نے جو تحقیقات کی ہیں' اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرتبہ صحت کو نہیں پہنچی کیونکہ اس حدیث کے تمام طرق میں شدید جرحیں کی گئی ہیں' چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ انتہائی ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے ہر طریق میں کوئی نہ کوئی مجروح راوی ہے۔ جس کی وجہ سے حدیث مرتبہ صحت کو نہیں پہنچی۔ (تذکرۃ الموضوعات' حدیث نمبر ۴۴۷ تا ۴۴۹' ج:۱/ ۳۴۷ تا ۳۴۹)

لہٰذا دانشوران قوم کا اس حدیث سے اپنے مدعا کو ثابت کرنا کسی طرح درست نہیں۔ مگر ہماری اس تحریر سے یہ نتیجہ بالکل نہ نکالا جائے کہ ہم مروجہ علوم و فنون کی تحصیل اور اس کی افادیت کے منکر ہیں۔ مادی ترقیات اور معاشی ضروریات کے لئے مروجہ علوم و فنون کو حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور اس کی اہمیت و افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ضرورت کے مواقع پر دوسری زبانوں کے سیکھنے کا جواز احادیث شریفہ سے ثابت ہے چنانچہ بعض صحابہ کرامؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبرانی زبان سیکھنے کے لئے فرمایا تھا اور انہوں نے اس کو سیکھا بھی لیکن اتنا ضرور یاد رہے کہ اپنا اسلامی تشخص و امتیاز باقی رکھیں اور جو علم و فن آپ حاصل کریں وہ شریعت اور اس کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو اور بقول اکبر مرحوم:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں جھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ کو چھو لو
لیکن یہ سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

☆☆.........☆☆

ترتیب: محمد اقبال قریشی

آخرت کی تجارت

حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ختم نہ ہو تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں' بے شک اللہ بڑا بخشنے والا ہے' قدر دان ہے۔'' (سورۃ فاطر:۳۰)

حاصل ترجمہ: ''لیوفیھم'' میں لام عاقبت ہے' یعنی اجور کا پورا پورا ملنا اور نفع زائد ہونا۔ یہ انجام ہے اس تجارت کا' خواہ اس تجارت میں اس انجام کا قصد بھی نہ ہو' البتہ خود تجارت کا قصد ضرور شرط ہے' خواہ تجارت کی حیثیت سے نہ ہو عمل کی حیثیت سے ہو۔

تجارت آخرت کے نفع کی امید کا مستحق:

آیت سے صاف واضح ہے کہ اس نفع کی امید کا مستحق وہ شخص ہے جو اعمال مذکورہ کو ادا کرے یعنی ''یتلون کتب اللہ'' قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں ''اقاموا الصلوٰۃ'' نماز پڑھتے ہیں ''انفقوا'' مال خرچ کرتے ہیں۔ ہر چند اس آیت میں تین ہی عمل کا بیان ہے' مگر درحقیقت اس میں اشارہ ہے تمام عبادات اور شرائع کی طرف۔ ''اقاموا الصلوٰۃ'' میں اشارہ ہے' عبادات بدنیہ کی طرف اور ''انفقوا'' میں اشارہ ہے عبادات مالیہ کی طرف' پھر عبادات بدنیہ اور مالیہ کی دو قسمیں ہیں فرض اور نفل۔ آیت میں دونوں داخل ہیں' کیونکہ نہ صلوٰۃ میں قید ہے فرض کی اور نہ انفاق میں' کیونکہ نوافل ایک زائد چیز نہیں اور نہ شریعت میں نوافل کا بیان فضول ہے بلکہ نوافل سے فرائض مکمل ہوتے ہیں' خوب سمجھ لو۔

اعمال آخرت کو تجارت کہنے کا سبب:

چونکہ لوگ تجارت کے عادی ہیں' اس لئے اس کو صورتاً تجارت فرمادیا' ورنہ تجارت کی حقیقت مال کا

مولانا اشرف علی تھانویؒ

تبادلہ مال سے یہاں موجود نہیں' کیونکہ ہم کوئی چیز اپنی ملک سے دیتے اور ادھر سے جنت ملتی تب یہ صحیح ہوتا' مگر یہاں تو:

''تو دادی ہمہ چیز من چیز تست''

یعنی میری سب چیزیں آپ کی دی ہوئی ہیں۔ اعمال بھی تو توفیق الٰہی سے ہوتے ہیں' پھر بدن' روح' قلب بھی تو انہیں کی عطا ہے۔ ان سے اعمال و عبادات کی توفیق بھی ان کی عطا ہے' جیسے کوئی باورچی کو پکوان کا جملہ سامان مہیا کرکے پکانے کے لئے دے تو کیا باورچی اس کو میرا سالن کہہ سکتا ہے' اسی طرح اعمال حسنہ سے ہماری نسبت ہے۔

غرض برائے نام مبادلہ کا لفظ آجانے سے اسے تجارت کہہ دیا' پھر بخلاف دوسری تجارتوں کے اس تجارت میں (لن تبور) ہرگز نقصان نہیں' پھر تجارت کا نتیجہ یہ ہے کہ پورا پورا اجر ملے گا ''لیوفیھم اجورھم'' پھر معاوضہ پر ہی اکتفا نہیں' استحقاق سے زیادہ ملے گا' ''ویزیدھم'' اور اس زیادہ ملنے پر کوئی تعجب نہ کرے' ''من فضلہ'' کہ یہ زیادتی حق کے فضل سے ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل کے سامنے کس چیز کی کمی ہے۔

غرض اعمال کے بعد یہ نتیجہ حاصل ہو جائے تو بڑی بات اور محض فضل ہے' چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''سن لو کہ حق تعالیٰ کا سرمایہ بڑا گراں ہے' سن لو کہ وہ سرمایہ جنت ہے۔'' پس جنت کی امید سے پہلے جنت کی قیمت بھی دیکھ لو' جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گراں فرمارہے ہیں' جس کے سامنے دنیا ومافیہا کو ہیچ فرماتے ہیں' معلوم ہوا کہ تمام دنیا سے جنت کی قیمت زیادہ ہے۔ ان ناتمام اعمال کو جنت کی قیمت کیا کہہ سکتے ہیں؟ ان اعمال پر جنت کا مل جانا حق سبحانہ وتعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے۔

عمل صالح کے بغیر جنت کی امید رکھنا دھوکہ ہے:

عمل کے بغیر امید رکھنا غلطی اور دھوکہ ہے کیونکہ تجارت وہ سودمند ہوتی ہے' جس میں چیزوں کا وجود پہلے اور امید کا وجود بعد میں ہوتا ہے' ورنہ امید کے معنی میں غلطی ہے' چنانچہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

”حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے اور جن
لوگوں نے راہِ خدا میں ترکِ وطن کیا ہو اور
جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمتِ خداوندی کے
امیدوار ہوا کرتے ہیں۔“ (البقرہ:۲۱۸)

غرض نری امید جسے تمنا کہتے ہیں‘ کسی شمار میں نہیں‘ جس طرح ملازمت کے امیدوار کسی عہدہ کے حصول کے لئے کئی سال محنت کرتے ہیں قواعد و ضوابط کے مطابق اس کی استعداد حاصل کرتے ہیں‘ کام سیکھتے ہیں‘ اگر ان سب کے باوجود عمر زیادہ ہوگئی یا کوئی مانع پیش آ گیا تو سب محنت اکارت گئی۔

افسوس طلب خدا کے بارے میں امید کے عجیب معنی گھڑ رکھے ہیں کہ نہ تقویٰ کی ضرورت‘ نہ طہارت کی نہ کسی اور چیز کی اور امید ایسی گہری کہ یقین سے بھی بڑھی ہوئی۔ دنیا میں کسی کو نہیں دیکھا کہ بغیر نکاح کے کوئی اولاد کی تمنا کرے اور اگر کوئی کرے تو اس کو مجنون کہا جائے گا‘ حالانکہ اس کی نظیر بھی موجود ہے کہ آدم علیہ السلام بغیر مرد و عورت کے پیدا ہوئے۔ حضرت حوا بغیر عورت کے پیدا ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر مرد کے پیدا ہوئے۔

بغیر کھیتی باڑی کے کوئی غلہ کا امیدوار ہو تو اس کو پاگل کہتے ہیں‘ لیکن کھیت درست کر کے بیج بوئے‘ پانی کھینچے اور ساری تدبیریں مکمل کر کے اللہ سے امید رکھے کہ اب غلہ ملے گا تو اس کو صحیح چال سمجھا جاتا ہے۔

شریعت میں اجمال فی الطلب کی تعلیم دی گئی کہ مختصر تدبیر کر کے اللہ پر بھروسہ اختیار کرو کیونکہ انہماک فی التدبیر سے اس پر بھروسہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

”اپنے بونے کو بھی تم نے دیکھا‘ اس
کو تم اگاتے ہو یا ہم؟“ (واقعہ:۶۳‘۶۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی فصل پر نتیجہ مرتب ہوتے دیکھ کر اس کی حقیقی نسبت اپنی طرف کرنا صحیح نہیں‘ اس کے بعد فرماتے ہیں:

”اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا
کر دیں‘ یعنی اس میں دانہ ذرا بھی پیدا نہ ہو
اور سب گھاس کوڑا ہی ہو جائے۔“

اسی طرح پانی کی نسبت فرماتے ہیں:

”جو پانی دن رات پیتے ہو اس کو
بتاؤ کہ بادلوں میں سے تم اس کو اتارتے ہو
یا ہم اتارتے ہیں؟“

اسی طرح آگ کی نسبت فرماتے ہیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں‘ جن کو ہم دن رات استعمال کرتے ہیں اور اختیاری سمجھتے ہیں‘ ان کو اختیاری سمجھنا غلط ہے‘ ہمارے اختیار میں صرف ارادہ ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ آپ کے ارادہ کے بعد آپ کے اعضا کام کرنے لگتے ہیں‘ لیکن خود یہ ارادہ حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے‘ اس لئے لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ آپ کے افعال حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں‘ پس ہم نے کچھ اعمال کئے‘ جن کے بعد ہم جنت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں‘ ان میں ہماری کارگزاری کیا ہوئی؟

نجات کا مدار فضل خداوندی پر ہے:

اگر تمام عمر کا ثواب جمع کرو تب بھی کچھ زیادہ نہیں مگر وہاں فضل کی یہ حالت ہے کہ ثواب اتنا ملے گا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا‘ نہ کان نے سنا‘ نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا خطرہ گزرا‘ یہ محض فضل خداوندی ہے اور نہ عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ یہ ہمارے عمل کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ بات ضرور شرعاً ثابت و مسلم ہے کہ امید بھی ایک عبادت ہے اور امر مطلوب ہے مگر نری امید کا کہیں حکم نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اعمال شرعی کرو اور رحمت کے امیدوار رہو نہ یہ کہ خیال خام میں پھنسے رہو۔

☆☆..........☆☆

بقیہ: تاریخ اسلام کے دریچوں سے

رہی و امیر لوگ علما سے بے نیاز ہوگئے‘ جس کے نتیجے میں خود ذلیل و خوار ہوئے اور اللہ کی نظر کرم سے محروم بھی‘ اگر یہ علما اہل دنیا کی دولت و حشمت سے بے نیاز رہتے تو امت کے یہ امراء ان کے علم و عمل کے محتاج ہوتے اور ان کی خدمت میں اپنی حاضری کو سعادت سمجھتے لیکن ایسا نہ ہوا علماء نے امراء کی رضا خوشنودی چاہی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا‘ اس طرح دنیا میں اہل علم کی قدر دانی جاتی رہی اور لوگ آخرت سے غافل ہوگئے‘ خلیفہ نے کہا بے شک شیخ نے سچی بات کہی: ”فجزاکم اللہ خیراً الجزاء۔“

خلیفہ نے کہا: براہ کرم اپنی نصیحت میں اور اضافہ کیجئے اللہ کی قسم علم و حکمت کی یہ باتیں میں نے کسی سے نہیں سنی ہیں۔

شیخ نے فرمایا: اگر آپ میں قبول حق کی صلاحیت موجود ہے تو یہ مختصر باتیں ہدایت و نصیحت کے لئے کافی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر میں اپنا تیر بے نشانہ کیوں چلاؤں؟

خلیفہ نے کہا: اللہ کی قسم میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آپ کی نصیحت قبول کروں۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر ٹھیک ہے سنو! اپنی آخری نصیحت عرض کرتا ہوں۔

اللہ کی عظمت و جلال کا ہر وقت استحضار رکھو اور اس بات سے دور رہو کہ وہ تم کو ایسے عمل میں دیکھے جس کو وہ پسند نہیں کرتا ہے اور اس بات سے بھی بچو کہ وہ تم کو بے عمل سمجھے۔

اس نصیحت کے بعد شیخ سلمہ بن دینارؒ نے سلام کیا اور رخصت ہوگئے۔

☆☆..........☆☆

عقیدہ ختم نبوت اور امت کی ذمہ داریاں

اللہ رب العالمین کا تعارف' حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرعون لعین کے روبرو اس طرح کرایا ہے:

''کہا! ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی' پھر راہنمائی فرمائی۔''

یعنی کائنات کی ہر چیز کو جیسا ہونا چاہئے تھا' پہلے اس کو ویسا ہی بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کے لئے جو شکل وصورت اور جو اوصاف وکمالات مناسب سمجھے' عطا فرمائے' پھر اللہ تعالیٰ ہی نے سب کی رہنمائی بھی فرمائی' جو مخلوق جس راہنمائی کی محتاج تھی' سب کی حاجت روائی فرمائی۔

انسان پیدا کیا گیا تو اس کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی ضرورت ''بقاء'' تھی' چنانچہ اس کی صورتیں اس کو الہام کی گئیں' بچے کو ابتدائے پیدائش کے وقت جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں تھا' یہ کس نے سکھایا کہ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے؟ چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر اس کو کس نے بتلایا؟ بھوک پیاس' سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑنا اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے' مگر یہ رونا اس کو کس نے سکھایا ہے؟

یہی وہ ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطا ہوئی ہے۔

اسی طرح اللہ رب العالمین نے ہر مخلوق کو ایک خاص قسم کا ادراک وشعور بخشا ہے' جس کے ذریعہ اس کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اسے کیا کرنا ہے۔

عام مخلوقات کے لئے تو اتنی رہنمائی کافی تھی' مگر اہل عقول' جن وانس' اس تکوینی ہدایت کے علاوہ ایک دوسری ہدایت کے بھی محتاج تھے' اور وہ تھی روحانی یا تشریعی ہدایت' کیونکہ تکوینی ہدایت انسان کی صرف مادی ضروریات پوری کرتی ہے' جبکہ انسان کا قلب وضمیر' اور عقل وفہم جن کی وسعت پذیری کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا' سب سے زیادہ ہدایت ربانی کے محتاج تھے۔

مولانا سعید احمد پالن پوری

سورۂ فاتحہ میں ان کو جو دعا تلقین فرمائی گئی ہے اور جسے بار بار دہرانے کا ان کو حکم دیا گیا ہے' وہ ہے: ''اھدنا الصراط المستقیم'' (الٰہی! ہمیں سیدھا راستہ دکھلا دیجئے)۔ یہ دعا واضح کرتی ہے کہ انسان کے لئے تکوینی اور مادی ضروریات سے بھی اہم اور مقدم روحانی اور تشریعی ہدایت ہے' پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مادی ضروریات کا تو سامان کریں' مگر اس کی سب سے اہم ضرورت سے صرف نظر فرمالیں؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ اور ربوبیت کاملہ نے انسان کی اس ضرورت کا بھی انتظام فرمایا اور سب سے پہلے انسان سیدنا حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام مرسل بھی تھے اور مرسل الیہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایت حاصل فرماتے تھے اور اس کے مطابق زندگی گزارتے تھے' پھر ان کے ذریعہ ان کی اولاد تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت پہنچی۔

روحانیت کا یہ نظام ہزاروں سال تک اپنی ارتقائی منازل طے کرتا رہا تا آنکہ اس کی ترقی حد کمال پر جا کر رک گئی اور اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ آفتاب ہدایت طلوع ہوا' جس کی ضیا پاشی سے عالم کا چپہ چپہ روشن ہو گیا اور دنیا نجوم و کواکب کی روشنی سے مستغنی ہو گئی اور انسانیت کو یہ مژدہ جانفزا سنایا گیا:

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا' اور میں نے تمہارے لئے ''اسلام'' کو دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔''

ساتھ ہی ''دین اسلام'' کی حفاظت کا اعلان بھی فرمایا گیا:

''بے شک ہم ہی نے نصیحت

(قرآن کریم) نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

جب دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا' اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تام ہوگئیں اور دین اسلام کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے لی' تو اب سلسلۂ نبوت و رسالت کی کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اس لئے ایک سلسلہ بیان میں صاف اعلان کردیا گیا:

''(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں' ہاں! اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔''

احادیث متواترہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت مختلف انداز سے واضح کی گئی ہے اور شروع سے آج تک پوری امت کا اس عقیدہ پر اجماع ہے کہ سرورکونین' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ کی ذات سے قصر نبوت تکمیل پذیر ہوچکا ہے' اب کسی نبی کی نہ ضرورت ہے' نہ امکان ہے اور جو بوالہوس ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا' افتراء پرداز' مرتد اور ملعون ہے۔

اس جگہ پہنچ کر ایک سوال قدرتی طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کتاب وسنت کی شکل میں اپنی اصلی صورت میں آج موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔

اس لئے اب کسی بھی طرح کے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے' مگر انبیاء کے بغیر اللہ کی یہ ہدایت لوگوں تک پہنچائے گا کون؟

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا کام اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کرکے لوگوں تک پہنچانا تھا۔ آج چونکہ ہدایات ربانی موجود ہیں' اس لئے تحصیل دین کی ضرورت تو نہیں ہے' مگر تبلیغ دین تو بہرحال ضروری ہے؟ اسی طرح اپنوں اور پرایوں کی چیرہ دستیوں سے دین کی حفاظت کی بھی ضرورت ہوگی۔

یہ فریضہ کون انجام دے گا؟ اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ذمہ داری امت کے سپرد کی گئی ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

''آپ لوگ (علم الٰہی میں) بہترین امت تھے جو لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے جو نیک کام کا حکم دیتی ہے اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے۔''

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

''میری طرف سے لوگوں کو (دین) پہنچاؤ' چاہے ایک ہی آیت ہو۔''

مشہور جملہ جو زبان زد خاص وعام ہے کہ:

''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔''

یہ جملہ حدیث ہونے کے اعتبار سے تو بے اصل ہے:

''قال القاری: حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل لا اصل لہ' کما قال الدمیری والزرکشی' والعسقلانی۔'' (المصنوع فی الاحادیث الموضوع لعلی القاری ص:۱۲۳)

مگر (یہ جملہ) مضمون کے اعتبار سے قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے۔ اس قول میں علماء امت کا مقام ومرتبہ نہیں' بلکہ ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ جس طرح دین موسوی کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری انبیاء بنی اسرائیل کو تفویض ہوتی تھی' اسی طرح دین مصطفوی کی تبلیغ واشاعت اور حفاظت وصیانت کی ذمہ داری علماء امت کے سپرد کی گئی ہے۔

ایک حدیث شریف میں پیشینگوئی کے انداز میں خبر دی گئی ہے:

''یہ علم دین ہر آئندہ نسل کے معتبر لوگ حاصل کریں گے' جو اس دین سے غلو کرنے والوں کی تحریفات' باطل پرستوں کے ادعات اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔''

الغرض عقیدۂ ختم نبوت برحق ہے' دین کی حفاظت واشاعت کے لئے اب کسی طرح کے کوئی نئے نبی تشریف نہیں لائیں گے' یہ فریضہ پوری امت کو اور خاص طور پر علماء امت کو انجام دینا ہے۔

الحمدللہ! امت بھی اپنے اس فریضہ سے غافل نہیں ہوئی' مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ فی الوقت اندر اور باہر کام کا جو تقاضا ہے وہ شاید پورا نہیں ہورہا ہے۔ خود امت استجابہ میں ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جن تک تعلیمات نبوی تفصیل کے ساتھ نہیں پہنچ سکی ہیں' اور وہ دین کی بنیادی باتوں سے بھی بے خبر ہیں' اور ایسے مسلمان بھی ہیں جن تک دین اپنی اصلی صورت میں نہیں پہنچا جس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی بدعات وخرافات میں مبتلا ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی دنیا کا تقریباً آدھا حصہ وہ ہے جن تک دین کی دعوت بھی شاید نہیں پہنچ سکی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لئے غوروفکر کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہوکر میدان عمل میں اتر آئیں۔

☆☆..........☆☆

قرآن کریم کی تلاوت‘ مصائب میں ذریعہ سکون

ریاضی کے امریکی پروفیسر ڈاکٹر جیفری کے قبول اسلام کی سرگزشت

عمار بکار

ڈاکٹر جیفری لنگ امریکا کی چند بڑی یونیورسٹیوں میں سے ایک یونیورسٹی آف کنساس میں ریاضی کے ایسوی ایٹ پروفیسر ہیں۔

ان کے مذہبی سفر کا آغاز ۳۰/جنوری ۱۹۵۴ء کو ہوتا ہے‘ جب انہوں نے برج پورٹ کنکٹی کٹ کے ایک رومن کیتھولک گھرانے میں جنم لیا‘ ان کی زندگی کے پہلے اٹھارہ سال کیتھولک اسکولوں میں گزرے جو ”خدا اور عیسائی مذہب“ کے بارے میں بے شمار ایسے سوال ان کے ذہن میں پیدا کر گئے جن کا انہیں کسی طرف سے کوئی جواب نہ مل پایا‘ اسلام کی طرف اپنے سفر کی کہانی بیان کرتے ہوئے لینگ کہتے ہیں:

”۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخر اور ۱۹۷۰ء کی دہائی کے شروع میں اکثر نو عمروں کی طرح میں نے بھی اس وقت کی معاشرتی‘ سماجی‘ سیاسی اور مذہبی اقدار کے بارے میں سوال پوچھنے شروع کر دیئے‘ کیتھولک چرچ سمیت میں نے ان تمام اداروں سے بغاوت کر دی تھی‘ جنہیں سوسائٹی میں مقدس شمار کیا جاتا ہے۔“

اٹھارہ سال کی عمر میں لینگ مکمل طور پر ایک ملحد بن چکے تھے‘ وہ کہتے تھے:

”اگر کوئی خدا ہے اور اگر رحمن ورحیم اور محبت کرنے والا ہے تو پھر کرہ ارض پر انسانوں کے لئے یہ مصائب‘ اذیتیں اور پریشانیاں کیوں ہیں؟ وہ ہمیں سیدھا جنت میں کیوں نہیں لے جاتا‘ اس نے ان تمام لوگوں کو مصائب ومشکلات میں مبتلا کرنے کے لئے کیوں پیدا کیا؟“

ان دنوں اسی طرح کے بے شمار سوالات ان کے ذہن کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھے۔

سان فرانسسکو یونیورسٹی میں ریاضی کے ایک نوجوان لیکچرار کی حیثیت سے تعیناتی کے دوران انہوں نے اپنے اس مذہب کو پایا‘ جس میں خدا کوئی فرضی وجود نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ یہ مذہب انہیں ان کے چند مسلمان دوستوں نے دکھایا‘ جن سے ان کی یونیورسٹی میں ملاقات اور دوستی ہوئی‘ ہم مذہب کے بارے میں گفتگو کرتے تھے‘ میں ان سے سوالات پوچھتا‘ میرے سوالوں کے جس محتاط اور خوبصورت انداز میں وہ جواب دیتے میں حیران رہ جاتا۔

ڈاکٹر لینگ شاہانہ وضع قطع رکھنے والے ایک سعودی طالب علم محمود قندیل سے ملے‘ قندیل ایک پرکشش شخصیت کا مالک تھا‘ جونہی وہ کمرۂ جماعت میں قدم رکھتا پوری جماعت کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا‘ جب لینگ طبی تحقیق سے متعلق سوالات پوچھتے تو قندیل نہایت اعتماد اور کامل یقین سے بہترین انگریزی زبان میں جامع جواب دیتا۔ شہر کا میئر‘ پولیس چیف اور عام آدمی بھی قندیل کو جانتے تھے‘ وہ پروفیسر اور طلبہ کے ہمراہ چکا چوند اور مسحور کر دینے والی ہر جگہ پر گیا‘ جہاں کوئی سرور انبساط مسرت وشادمانی اور خوشی نہ تھی صرف قہقہے اور ہنسی مذاق تھا۔

حقیقی خوشی‘ مسرت‘ اطمینان قلب اور ذہنی انبساط کہاں سے مل سکتا ہے؟ یہ بتانے کے لئے قندیل نے ڈاکٹر لیگ کو قرآن کریم کا ایک نسخہ اور چند اسلامی کتب دیں‘ لینگ نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کیا اور پھر ایک دن انہوں نے یونیورسٹی میں مسلم طلبہ کے لئے مخصوص انداز میں ”کمرۂ نماز“ میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا‘ قرآن کریم نے انہیں فتح کر لیا تھا اور ملحد و باغی ڈاکٹر لینگ قرآن کریم کے ذریعہ مفتوح ہو چکے تھے۔ اپنی کتاب ”اسٹرگلنگ ٹو سرینڈر ریز“ کے پہلے دو ابواب میں اپنے انکار وقبول کے معرکے کا انہوں نے نہایت ایمان افروز تذکرہ کیا ہے‘ وہ لکھتے ہیں:

”ایک مصور کسی پورٹریٹ کی آنکھیں بنا سکتا ہے‘ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ آپ کا پیچھا کرتی ہوئی دکھائی دیں‘ مگر کون سا ایسا مصنف ہے جو ایسا صحیفہ لکھ سکے جس میں آپ کی زندگی کے آئندہ ایام کے نشیب وفراز کا ذکر ہو یا پھر آپ کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات موجود ہوں؟ قرآن کریم کے مطالعہ کے دوران‘ میں ہر رات کو اسلام سے متعلق اعتراضات اور سوالات کو تشکیل دیتا اور حیران کن طور پر اگلے روز کے مطالعہ قرآن

کریم میں مجھے جوابات مل جاتے' ایسے محسوس ہوتا کہ اس کتاب کا مصنف میرے خیالات کو پڑھ لیتا ہے اور میرے سوالوں کے بالکل صحیح صحیح جوابات اگلے روز کے مطالعہ قرآن کریم کے حصے میں بالکل صحیح جگہ پر لکھ دیتا ہے' قرآن کریم پڑھتے ہوئے اس کے صفحات پر میں اپنا ہی ذکر پاتا۔"

ڈاکٹر لینگ روزانہ پانچ وقت نماز باقاعدگی سے پڑھتے ہیں' اس سے انہیں روحانی اطمینان و سکون ملتا ہے' وہ نماز فجر کو اسلام کی انتہائی خوبصورت اور متاثر کن وجد آور مذہبی سرگرمی کے طور پر دیکھتے ہیں' نماز فجر میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ عارضی طور پر آپ اس دنیا کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور ان فرشتوں سے آپ کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے جو طلوع صبح سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کر رہے ہوتے ہیں۔

قرآن کریم تو عربی زبان میں ہے' جو مکمل ایک غیر ملکی زبان ہے' پھر تلاوت کرتے ہوئے یہ آپ کو اپنا گرویدہ و فریفتہ کیوں بنالیتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں وہ فرماتے ہیں:

"ایک بچہ اپنی ماں کی آواز سے کیوں مطمئن و پرسکون ہو جاتا ہے' جب کہ وہ اس کی بات نہیں سمجھتا؟ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت مصائب و مشکلات اور پریشانیوں کے لمحات میں سکون و اطمینان دیتی ہے۔"

ڈاکٹر لینگ کا تعلق شعبہ ریاضی سے ہے' انہوں نے ماسٹر اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں پرڈوئے یونیورسٹی سے حاصل کیں' وہ کہتے ہیں کہ ریاضی میرا دلچسپ مضمون ہے اور میں ہمیشہ اس سے مسحور ہوا ہوں' ان کا کہنا ہے کہ ریاضی ایک منطقی مضمون ہے' یہ مستند حقائق اور اعداد و شمار کے ساتھ ٹھوس جواب کا تقاضا کرتا ہے' میرا ذہن بھی اسی طرز پر کام کرتا ہے اور جب میرا ایسی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے' جن میں ٹھوس جواب نہیں ملتا تو مجھے سخت مایوسی ہوتی ہے' ایسا فرد جس کا ذہن مستند حقائق کے بغیر کسی نظریے کو قبول نہ کرتا ہو' اس کے لئے کسی مذہب پر یقین رکھنا بڑا مشکل ہے' کیونکہ کہ بیشتر مذاہب کی بنیاد اندھا عقیدہ ہے' مگر اسلام منطق و استدلال والے ذہن کے لئے کشش رکھتا ہے۔

ڈاکٹر لینگ کہتے ہیں:

"مسلم اسٹوڈنٹس ایسوی ایشن کے لئے فیکلٹی ایڈوائزر کے طور پر میں نے اپنے آپ کو طلبہ اور ان کی یونیورسٹیوں کے درمیان رابطے کار کی حیثیت سے دیکھا اور یونیورسٹی حکام سے اسلامی لیکچرز کے انعقاد کی منظوری لی' فیکلٹی ایڈوائزر کی حیثیت سے مجھے ان کی ضروریات کو سامنے رکھ کر ان کی مدد کرنا ہوتی ہے تاکہ وہ امریکی کلچر اور یونیورسٹی کے طریقہ کار سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرسکیں' لیکچروں کے انعقاد کو انہوں نے تحسین کی نظر سے دیکھا کہ اس طرح انہیں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں دور کرنے کا موقع ملا۔"

بارہ سال قبل ڈاکٹر لینگ نے ایک سعودی خاتون رائقہ سے شادی کی' وہ متعدد اسلامی کتب بھی لکھ چکے ہیں' جو بڑی تعداد میں فروخت ہوئی ہیں۔

☆☆............☆☆

توجہ فرمائیے

فتنہ قادیانیت اور دیگر باطل فتنوں سے باخبر رہنے کے لئے ہفت روزہ ختم نبوت کا مطالعہ کیجئے' اس کے خریدار بنئے اور دیگر دوست و احباب کو بھی اس طرف توجہ دلائیں' ہفت روزہ ختم نبوت میں اشتہار دے کر جہاں آپ اپنی تجارت کو فروغ دیں گے وہاں آپ اس کار خیر میں شریک ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیرینہ محبت و تعلق کی بنا پر قیامت کے دن باعث شفاعت کا ذریعہ بھی بنیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

انسانی فیصلہ کی طاقت

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہیں' جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے' پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے' دریاؤں کا رخ موڑ دیتی ہے' سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے' ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے وجود میں لے آتی ہے' وہ انسانی فیصلہ کی (طاقت) ہے' اس فیصلہ نے بارہا افراد کی اور خاندان کی نہیں' قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کرکے باآبرو زندگی کے گزارنے کی مہلت لے لے اور اس کے برعکس اپنی نااہلی' کفران نعمت اور ظلم و فساد کا مظاہرہ کرکے زندگی کے حق اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرلے' اسی کا نام تقدیر کا بدل جانا ہے۔

"خدا اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل ہے) نہیں بدلتا' جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے۔" (الرعد:۱۱)

تاریخ اسلام کے دریچوں سے

مولانا شمس الحق ندوی

کیا مدینہ میں ایسی کوئی شخصیت ہے' جس کی تعلیم وصحبت سے ہم استفادہ کریں؟

لوگوں نے کہا: امیر المومنین مدینہ منورہ میں سب سے بڑے عالم شیخ سلمہ بن دینارؒ ہیں' جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی صحبت پائی ہے' اس وقت ان کی حیثیت امام ومقتداء کی ہے' اقطاع عالم سے علماء ومحدثین ان کی خدمت میں آیا کرتے ہیں' کثرت ہجوم کی وجہ سے وہ کہیں ملاقات وغیرہ کے لئے باہر نہیں جاتے' مسجد نبوی شریف ان کی مستقل قیام گاہ ہے۔ امیر المومنین کی یادفرمائی پر ممکن ہے وہ تشریف لائیں؟

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنا قاصد روانہ کیا اس نے نہایت ادب واحترام سے خلیفہ کا پیام پہنچایا اور زحمت فرمائی کی دعوت دی۔

شیخ سلمہ بن دینارؒ قاصد کے ہمراہ روانہ ہوئے' خلیفہ نے اپنے محل میں شیخ کا نہایت عزت کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور ناز ومحبت میں اس طرح شکایت کی:

''ما ھذا الجفاء یا ابا حازم''

ابو حازم ایسی بے رخی کیوں؟

شیخ سلمہ بن دینارؒ نے تعجب سے فرمایا:

کیسا ظلم' کیسی بے رخی؟

سلیمان بن عبدالملک نے کہا: میری آمد پر اہل شہر ملاقات کے لئے آئے' لیکن جناب نے زحمت نہ فرمائی؟

شیخ نے فرمایا: امیر المومنین بے رخی تو اس وقت سمجھی جائے گی جب آپ کی تشریف آوری کا مجھ کو علم ہوتا اور پھر ملاقات نہ کرتا' آپ کی تشریف آوری کا آج ہی علم ہوا' جب کہ آپ نے خود یاد کیا' میں آپ کی تشریف آوری کا آج ہی علم ہوا' میں آپ کی یادفرمائی کا شکرگزار ہوں۔

خلیفہ نے شرمندہ ہو کر اپنے ارکان دولت سے کہا: شیخ کی معذرت صحیح ہے' حقیقت یہی ہے کہ میں نے الزام دینے میں عجلت کی' براہ کرم معاف فرمادیں۔

شیخ نے خلیفہ کی معذرت قبول کی۔

پھر خلیفہ نے کہا: جناب سے چند امور دریافت کرنے ہیں' اجازت ہو تو عرض کروں؟

شیخ نے فرمایا: ارشاد ہو۔

خلیفہ نے کہا: یہ کیا بات ہے کہ ہم موت کو پسند نہیں کرتے؟

شیخ نے فرمایا: یہ اس لئے کہ ہم نے اپنی دنیا آباد کرلی ہے اور آخرت کو ویران کررکھا ہے' لہٰذا آبادی سے ویرانی کی طرف جانا پسند نہیں آتا۔

خلیفہ نے کہا: بے شک یہی بات ہے' پھر کہنے لگا' جناب ہم کس طرح جانیں کہ آخرت میں ہمارا کتنا ذخیرہ موجود ہوگا؟

شیخ نے فرمایا: اپنی زندگی کے اعمال کو کتاب اللہ پر پیش کرو' تمہیں معلوم ہوجائے گا۔

خلیفہ نے کہا: کس آیت میں اس کا ذکر ہے؟ شیخ نے فرمایا:

''ان الابرار لفی نعیم' وان الفجار لفی جحیم۔''

(سورۂ انفطار:۱۳'۱۴)

ترجمہ: ''نیکی کرنے والے نعمتوں والی جنت میں ہوں گے اور گناہ کرنے والی دہکتی آگ میں۔''

خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ہی ہے تو اللہ کی رحمت کہاں رہی؟

شیخ نے فرمایا:

''ان رحمت اللہ قریب من المحسنین۔''

(سورۂ اعراف:۵۶)

ترجمہ: ''اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔''

خلیفہ نے کہا: قیامت کے دن اللہ کے حضور کیسے حاضری ہوگی؟

شیخ نے فرمایا: نیک لوگ تو اس طرح آئیں گے جیسے طویل سفر کے بعد آدمی خوشی خوشی اپنے گھر آتا ہے اور گناہگار اس طرح جیسا بھگوڑا

غلام اپنے آقا کے پاس زبردستی لایا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر خلیفہ رو پڑا' اس کی ہچکیاں بندھ گئیں اور آواز بلند ہوگئی۔

خلیفہ نے کہا: جناب پھر ہماری اصلاح کی کیا صورت ہے؟

شیخ نے فرمایا: اپنی شان و عزت کو ترک کردو اور اچھے اخلاق و تواضع سے اپنے آپ کو زینت دو۔

خلیفہ نے کہا: یہ مال و دولت جو ہمارے یہاں ہے' اس میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

شیخ نے فرمایا: جب تم حق کے مطابق اس کو حاصل کرو اور اس کو اس کے محل میں خرچ کرو اور اس کی تقسیم میں انصاف سے کام لو' انشاء اللہ' اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

خلیفہ نے کہا: جناب یہ بتایئے کہ سب سے بہتر انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ جو تقویٰ اور پاس داری کا لحاظ کرنے والا ہو۔

خلیفہ نے کہا: سب سے بہتر کون سی بات ہے؟

شیخ نے فرمایا: جس شخص سے خوف اندیشہ ہو اس کو حق بات سنانا۔

خلیفہ نے کہا: وہ کون سی دعا ہے جو جلد قبول ہوجاتی ہے؟

شیخ نے فرمایا: نیک آدمی کی دعا' نیک لوگوں کے لئے۔

خلیفہ نے کہا: بہترین صدقہ کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا: غریب کا وہ صدقہ جو مصیبت زدہ فقیر کو ملے۔

خلیفہ نے کہا: عقلمند انسان کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جو عبادت الٰہی پر قادر ہو اور اس پر عمل کیا' پھر دوسروں کو اس کی طرف رہنمائی کی۔

خلیفہ نے کہا: اور بے وقوف کون ہے؟

شیخ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے گناہگار دوست کی ناجائز خواہش پوری کرتا ہو' گویا اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کے لئے فروخت کردیا۔

خلیفہ نے کہا: جناب کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں' تاکہ ہم آپ سے استفادہ کریں اور آپ بھی ہم سے نفع پائیں؟

شیخ نے فرمایا: امیر المومنین اللہ کی پناہ! ایسی کوئی تمنا نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: ایسا کیوں؟

شیخ نے فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں آپ کی دولت و ریاست کی طرف مائل ہوجاؤں' پھر مجھ کو اللہ حیات و موت کا دہرا مزا چکھائے۔

خلیفہ نے کہا: اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر آپ اپنی شخصی ضروریات کا اظہار فرمائیں؟

شیخ نے اس پر سکوت اختیار کیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

خلیفہ نے اپنی گزارش پھر دہرائی' جناب آپ بے تکلف اپنی حاجت ظاہر فرمائیں خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو؟

شیخ نے فرمایا: سنو! میری اول و آخر یہی حاجت ہے کہ آپ مجھے اندیشہ نار جہنم سے بچادیں اور جنت میں داخلہ دلوادیں؟

خلیفہ نے کہا: یہ اختیار تو میرے بس کا نہیں ہے۔

شیخ نے فرمایا: تو پھر آپ سے اور کوئی حاجت نہیں ہے۔

خلیفہ نے کہا: میرے لئے دعائے خیر فرمادیں؟

شیخ نے فرمایا: اے اللہ! آپ کا بندہ سلیمان بن عبدالملک آپ کے مقبول بندوں میں شامل ہے تو اس کو دنیا و آخرت کی بھرپور سعادت نصیب فرما اور اگر اس کا شمار آپ کے مردود بندوں میں ہے تو اس کی اصلاح فرما' اس کو اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

حاضرین میں ایک شخص بول پڑا: اے شیخ! امیر المومنین کی شان میں آپ کی جرأت بہت بڑھ گئی ہے' نصیحت و وصیت میں امیر المومنین کا پاس و ادب ملحوظ نہ رکھا' آپ نے امیر المومنین کو دشمنان خدا کی فہرست میں شمار کیا اور ان کی اصلاح کی دعا کی۔

شیخ نے فرمایا: برادر زادے! آپ نے انصاف سے کام نہ لیا' اللہ تعالیٰ نے خود علمائے امت سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ہر جگہ کلمہ حق ظاہر کردیا کریں:

''لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ۔'' (آل عمران:۱۸۷)

امیر المومنین! گزشتہ امتوں میں جو لوگ تھے' وہ اسی صورت میں خیر و عافیت میں رہے ہیں جب کہ ان کے امیر لوگ علماء کرام کے یہاں دین حاصل کرنے کے لئے ذوق و شوق سے آیا کرتے تھے' پھر کچھ عرصہ بعد کم ظرف و بُرے لوگ علم دین حاصل کرنے لگے اور انہوں نے اہل دنیا سے دنیا طلبی کی اور اس کے لئے ان کی خدمت میں اپنی آمد و رفت جاری

باقی صفحہ ۱۰ پر

حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت

۲۵/دسمبر کو پوری دنیا کے عیسائی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا میلاد نہایت جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ آپؑ کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپؑ زمین میں چلنے یعنی سیاحت کرنے والے تھے۔ مسیح کہلانے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ وہ مسح یعنی ہاتھ پھیر کر کسی چیز کا بُرا اثر دور کر دیا کرتے تھے۔ عبرانی میں آپ کا نام ایشوع یا یسوع تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں تاریخی شواہد ملتے ہیں' جن میں ان کی زندگی کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ بنیادی مباحث بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضرت مسیح بن مریم کی معجزاتی بعثت قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے تھی جو مادیت پرستی میں انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ حضرت مریم ایک پاکدامنہ' نیک اور کنواری خاتون تھیں جن کو ان کی والدہ نے اللہ کی نذر کر رکھا تھا۔ وہ عبادت گاہ کے ایک حجرے میں دن بھر عبادت میں مشغول رہتیں اور رات اپنی خالہ کے ہاں بسر کرتی تھیں۔ ایک دن اپنے قریب ایک اجنبی شخص کو اچانک پا کر بے حد خوفزدہ ہوگئیں اور اس سے اللہ کی پناہ مانگی۔ نوجوان نے بتایا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا فرشتہ ہوں اور آپ کو ایک پاکیزہ' مبارک و مسعود بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں' آپ کا بیٹا دنیا والوں کے لئے ایک بڑی رحمت کا سبب بنے گا' چونکہ ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے بیٹے کی ولادت کی خبر سن کر اور بھی زیادہ گھبرا گئیں۔

بیت المقدس سے تقریباً آٹھ میل باہر ایک ویران مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ویرانے کو زرخیزی میں تبدیل کر دیا' وہاں اپنی نعمتوں کی بارش کر دی' وہاں پانی کی نہریں جاری کر دیں اور خشک درختوں پر ان کے استعمال کے لئے طرح طرح کے پھل اگا دیئے۔ بی بی مریم یہ جاننے کے باوجود کہ بچے کی پیدائش ایک معجزہ ہے بشری جبلت سے سخت پریشان تھیں کہ لوگوں کے سامنے بچے کو لے کر کیسے جاؤں گی اور ان کے استفسار پر کیا جواب دے کر ان کو مطمئن کروں گی؟

بابوشفقت قریشی سہام

فرشتہ نے ان کو سکھایا کہ آپ کلام نہ کریں چپ کا روزہ رکھ لیں اور پوچھنے والوں کو اشارہ سے کہیں کہ نومولود بچے سے پوچھ لو کہ تمہارا باپ کون ہے؟ ایسا کرنے پر لوگ اور بھی تیغ پا ہوگئے کہ بھلا نومولود بچہ گہوارہ سے کلام کیسے کر سکتا ہے؟ بی بی مریم کے خاندانی وقار کا حوالہ دے کر جب ان کو لعن طعن کی گئی تو اللہ کے حکم سے ماں کی گود سے بچے نے اعلان کیا: "انی عبداللہ" (میں اللہ کا بندہ ہوں) ان کے دل کفر سے سیاہ ہو چکے تھے' اس لئے انہوں نے پھر بھی یقین نہ کیا اور الزام تراشیوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس موقع پر انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں خود اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں یا میرا کوئی روحانی باپ ہے؟ اس طرح کا کوئی ثبوت عیسائیت کتب میں بھی نہیں ملتا۔ مسیح علیہ السلام نے ایک طرف اپنی ماں کی پاکدامنی ثابت کر دی اور دوسری طرف یہ اعلان حق بھی کر دیا کہ جس نبی کی آمد کا بنی اسرائیل کی الہامی کتب میں ذکر چلا آ رہا ہے وہ بھی میں ہی ہوں۔ یہودیوں نے بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کی سچائی اور نبوت پر ایمان لانے کے دونوں ماں بیٹے کے خلاف اپنی مخالفانہ سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ گو کہ گہوارہ میں ہی کلام کرنے کا معجزہ ظاہر کرتا ہے کہ ابتداء ہی میں وہ غیر معمولی جنت کے مالک تھے' اس لئے ان کے پیغام حق کو بلاچوں و چراں قبول کر لینا چاہئے تھا مگر وہ نہ مانے اور انکار کیا۔

مسیحی عقیدہ کے مطابق اس وقت کے حکمران ہارود کو نجومیوں نے بتایا کہ ایک بچہ ایسا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا' اس تشویش کے پیش نظر اس نے مردم شماری کا اعلان کر کے تمام لوگوں کو بیت المقدس آ کر اپنے نام رجسٹر کرانے کا حکم دیا۔ حضرت مریم بھی اپنے منگیتر یوسف کے ساتھ نام لکھوانے کے لئے یروشلم روانہ ہوئیں۔ راستہ میں ایک ویران اصطبل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی' بچے کا نام یسوع رکھا گیا اور آٹھ دن کے بعد ان کا ختنہ کیا گیا۔ فارس سے آنے والے مجوسیوں نے ستاروں کا حساب لگا کر تصدیق کی کہ نومولود بچہ یہودیوں کا سردار بنے گا۔ ادھر جب بادشاہ کو اپنے دشمن کی ولادت کی خبر ملی

توقتل کرنے کا حکم صادر کیا۔اس دوران حضرت مریم اپنے بچے کو لے کر یوسف کے ہمراہ مصر چلی گئیں وہاں تقریباً چھ ماہ قیام کیا اور بادشاہ کی وفات کے بعد واپس آ کر ناصرہ میں سکونت پذیر ہوگئیں۔اس دور میں طبیبوں اور حکیموں نے اپنے فن کو کمال پر پہنچا رکھا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس مناسب سے حضرت مسیح علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے۔ مایوس العلاج کو ہاتھ پھیر کر تندرست کر دینا۔مردہ جسم میں باذن اللہ کہہ کر دوبارہ روح پھونک دینا ایسے معجزات تھے جن سے آپ کا نمایاں تفوق ثابت ہوگیا۔ انہوں نے معجزات کو جادو قرار دے دیا اور دعوت حق کو ماننے سے انکار کر دیا حالانکہ نئے دین کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی تکمیل ان کا مشن تھا۔ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا محور بھی توحید' رسالت' عقیدہ کی درستگی اور اعمال صالحہ پر تھا جو اسلامی تعلیمات سے بے حد ہم آہنگ ہیں۔خنزیر کا گوشت' کسی عورت کو نظر بد سے دیکھنا' عورتوں اور مردوں کا اختلاط اور شراب کے استعمال سے منع فرمایا گیا ہے۔حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاؑ و رسل کی تعلیمات میں یکسانیت پائی جاتی ہے' جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات بھی شامل ہیں لیکن بعد کے ادوار میں ان کی اصل تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنی پسند کی بہت سی تعلیمات کو شامل کر لیا گیا ہے۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی معجزانہ ولادت سے لے کر تختہ دار پر پہنچانے تک کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ایذا رسانی' جھٹلانا' معجزات کو جادو کہنا' تعلیمات سے انکار کر کے آخر کار حکومت کا باغی قرار دے کر سولی تک پہنچا دیا۔قرآنی تعلیمات کی روشنی میں یہودی نہ انہیں قتل کر سکے اور نہ صلیب دینے میں کامیاب ہو سکے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ اٹھالیا' جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ان کو قتل کیا گیا یعنی صلیب پر لٹکایا گیا اور بعد میں وہ زندہ ہوگئے۔ باوجود عقیدے میں اختلاف کے اس ساری کارروائی کے ذمہ دار یہودی ہی تھے۔ ہر قوم یا امت کا اپنے اسلاف اور انبیاؑ سے محبت رکھنا ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو بُرا سمجھنا ان کا جزو ایمان ہوتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ ناموس رسالت پر کئی مسلمانوں نے اپنی جانیں نچھاور کر دیں جن میں غازی علم الدین شہید قابل ذکر ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ یہی نظریہ آج کے مسیحیوں کا یہودیوں کے بارے میں بھی ہونا چاہئے' لیکن باوجود ان تمام گستاخیوں اور زیادتیوں کے جو انہوں نے حضرت مریم اور ان کے فرزند حضرت مسیحؑ پر روا رکھیں ان کے پیروکاروں نے ان تمام کو پس پشت ڈال کر اپنی تمام تر ہمدردیاں مٹھی بھر یہودی برادری کے لئے مختص کر رکھی ہیں اور ۲۵/دسمبر کو اپنے نبی کا یوم ولادت مناتے وقت ان کے قاتلوں کو بھول گئے ہیں اور ان کو اپنا دشمن سمجھنے کے بجائے دوست سمجھتے ہیں' جبکہ وہ مسلمانوں کے لئے نرم گوشہ رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں جن کا اس وقت تک دین ہی مکمل نہیں ہوتا جب تک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیحؑ کا یوم ولادت مناتے وقت پوری عیسائی برادری کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ یا تو وہ حصہ اپنی مقدس کتابوں' سے نکال دیں جس میں حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کی دشمنی کا ذکر ہے۔

☆☆.........☆☆

بقیہ: اللہ کی راہ میں خرچ کی فضیلت

کرتے ہیں' ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں جگہ آسائش و فراوانی ہے اور ان کے اس خرچ کرنے کو خداوند قدوس قرض حسنہ قرار دیتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہے:

"من یقرض اللہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرا."

ایک دوسری جگہ فرمایا جس کا مفہوم ہے:

"جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے اس خرچ کرنے کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے پودا اُگے اور اس سے سات بالی نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے' جس کے واسطے چاہتا ہے وہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جانتا ہے یقیناً اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک سواری بھی نہ ہو' اس کو دیدے' جس کے پاس سامان زائد ہو تو اس کو دیدے جس کے پاس سامان نہ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک کھجور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کی جائے تو خدائے تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتا ہے کہ وہ احد پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے۔ سچ ہے:

"رحمت حق بہانہ می جوید"

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں اور اچھے کام کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔☆☆

علم کا مصداق

مفتی شعیب احمد بستوی

انسان کے لئے دنیا میں آنے کے بعد دو ہی چیزیں ضروری ہیں' ایک علم اور دوسرے عمل اور ظاہر ہے کہ علم عمل سے مقدم ہے' بغیر علم کے عمل ناممکن ہے۔ علم غذا سے بھی مقدم ہے' غذا سے تو انسانی جسم کی بقاء ہے لیکن علم سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے' انسانیت کی ابتداء حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔

وہ نوری مخلوق جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

"وہ اللہ تعالیٰ کی کسی امر میں نافرمانی نہیں کرتے' جس کا حکم دیا جاتا ہے' اس میں لگے رہتے ہیں۔"

حضرت آدم علیہ السلام کو جو فوقیت اور افضلیت عطا ہوئی وہ صفت علم ہی کی بدولت ہوئی۔ انہیں مسجود ملائکہ بنایا گیا' علم ہی کی بنیاد پر اور زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اسی علم کے سبب "وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملٰئکة...... الی ابی واستکبر وکان من الکافرین۔" (الآیۃ) میں اسی کا بیان ہے۔

قرآن کریم کی کم وبیش سترہ آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے علم اور اہل علم کی فضیلت اور اہمیت کو بیان فرمایا ہے' سورۂ بقرہ آیت: ۵۲' ۶۷' ۱۲۰' ۱۴۵' ۲۶۹' سورۂ آل عمران: ۶ تا ۱۷' سورۂ اعراف: ۵۲' سورۂ رعد: ۳۷ تا ۴۳' سورۂ قصص: ۸۰' سورۂ عنکبوت ۴۳' سورۂ فاطر ۲۸' سورۂ زمر: ۹' سورۂ مجادلہ: ۱۱' سورۂ طٰہٰ: ۱۱۴' مائدہ: ۴۳' سورۂ توبہ ۱۲۲۔

خالق کائنات نے انبیاء ورسل کا جو سلسلہ قائم فرمایا ہے وہ کس لئے ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے کائنات عالم پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ چنانچہ کائنات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق میں ایک نوع جمادات کی ہے' پھر اس سے افضل اور بڑھا ہوا درجہ نباتات کا ہے' پھر اس سے بڑھ کر درجہ حیوانات کا ہے پھر ان سب سے بلند وبالا درجہ انسان کا ہے:

"اور ہم نے عزت دی آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو خشکی اور دریا میں اور پاک وستھری چیزوں سے ان کو روزی دی اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوق پر فوقیت دی۔" (بنی اسرائیل: ۷۰)

جمادات تو حس وحرکت اور عقل وشعور سے عاری ہیں' اس لئے ان پر کسی طرح کی ذمہ داری نہیں۔ نباتات میں حرکت ہے لیکن اختیار وارادہ اور عقل سے بے بہرہ ہیں' اس لئے ان پر بھی کوئی ذمہ داری نہیں' حیوانات میں حس وحرکت' ارادہ واختیار اور کسی نہ کسی درجہ میں عقل حیوانی بھی ہے البتہ تدبر وتفکر اور عقل کلی سے خالی ہیں' اس لئے ان پر صرف معاش کی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ مثلاً وہ اپنی روزی خود تلاش کرتے ہیں' پرندے رہنے کے واسطے گھونسلے خود بناتے ہیں' حشرات الارض زمین کی تہوں میں رہنے کے واسطے سوراخ اور بل خود بناتے ہیں' لیکن حضرت انسان چونکہ ان سب سے افضل واشرف تھا اس لئے بوجھ بھی اس پر زیادہ ڈالا گیا' چنانچہ معاش کی ذمہ داری کے ساتھ اسے معاد (یعنی آخرت) سنوارنے کی ذمہ داری بھی دی گئی' اور انتظام معاد کے لئے بنیادی صلاحیت کے طور پر اس کے اندر ایک گونہ قوت ملکیہ پیدا کی گئی' لیکن چونکہ اخروی منافع ومضرتیں مشاہد نہیں ہیں' اس لئے انسان اس سے غافل ہے' انبیاء کرام اسی غفلت کو دور کرنے اور اخروی زندگی کو بنانے کے لئے مبعوث کئے جاتے رہے ہیں اور انہیں صرف انہی چیزوں کا مکلف بنایا جاتا تھا' جس سے بنی نوع انسان کا معاد درست ہو' لہٰذا انبیاء علیہم السلام کو ایسے ہی علم کی ضرورت ہوگی' جس سے اخروی زندگی کی عمارت تعمیر ہوسکے۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام جو علوم لے کر آتے ہیں اس کے بغیر نہ انسانوں کو نجات مل سکتی ہے نہ ان کے لئے سعادتوں کے دروازے کھل سکتے ہیں' نبی جو علم لے کر آتا ہے اس سے خالق

اور مخلوق (انسان) کے درمیان تعلق و نوعیت کا علم ہوتا ہے۔ بندے کے اعمال و عقائد کم درست ہوتے ہیں اللہ کو راضی کرنے اور اللہ کے ناراض ہونے کے اسباب کا علم ہوتا ہے اخروی فوز و فلاح اور ناکامی و خسران کے طریقوں کا پتہ چلتا ہے گویا نبی جو علم لے کر آتا ہے اس کو علم النجات کہا جاسکتا ہے۔

آیت کریمہ: "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" میں بیان کیا گیا ہے کہ جن وانس کی تخلیق صرف عبادت پروردگار کے لئے ہوئی ہے اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

"اے ابن آدم! ساری کائنات کو میں نے تیرے لئے بنایا ہے اور تجھ کو اپنے لئے بنایا ہے لہٰذا تو ان چیزوں میں پڑ کر جسے میں نے تیرے لئے بنایا ہے مجھ سے غافل مت ہو۔"

نبی اسی بھولے ہوئے مقصد کو یاد دلانے اور اپنے رب سے رشتہ استوار کرنے کے لئے آتا ہے قرآن کریم کہتا ہے:

نبی ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ (باطنی بیماریاں مثلاً کبر حسد بغض عناد وغیرہ) کرتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سمجھداری کی باتیں بتاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام اعلیٰ وارفع صلاحیتوں کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ علوم وفنون میں نہ دخل دیتے ہیں اور نہ اس میں اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں کیونکہ وہ مقصد بعثت کے خلاف ہے۔ قرآن کریم نے ان قوموں کا واقعہ عبرت بیان کیا ہے جو اپنے زمانہ کے رائج علوم وفنون میں کمال اور امتیازی شان رکھتے تھے اور ان علوم کو وہ کامیابی کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے جس کی بنا پر وہ انبیاء کرام کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے تھے:

"جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے (اس) علم (معاش) پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آ پڑا جس کے ساتھ وہ تمسخر کرتے تھے۔"

علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں: "یعنی وجوہ معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقائد پر دل جمائے ہوئے تھے اسی پر اتراتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے آخر ایک وقت ایسا آیا جب ان پر اپنی ہنسی اور مذاق کی حقیقت کھلی اور ان کا استہزاء و تمسخر خود انہیں پر الٹ پڑا۔"

بہرحال اس ساری تفصیل سے قارئین کرام کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ قرآن کریم میں جس علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ وہی علم ہے جو انبیاء کو دیا گیا اور جن اہل علم کی تعریف وتوصیف بیان ہوئی ہے وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء کے بتائے ہوئے علوم کو اختیار فرمایا لہٰذا خاتم المرسلین جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث شریفہ کے اندر علم کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے جس کے حصول کو آپ نے ضروری قرار دیا ہے جس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور جسے کامیابی اور کامرانی کا زینہ قرار دیا ہے اس سے مراد صرف وہی علم ہوگا جسے دے کر انہیں بھیجا گیا ہے اور جس کی تعلیم وتبلیغ ان کے ذمہ قرار دی گئی ہے نہ کہ دوسرے علوم وفنون۔

لیکن آج امت محمدیہ کا ایک بڑا طبقہ جو معاشرہ میں روشن خیال اور دانشور کہلاتا ہے وہ علم کی تعریف اور اس کا مصداق اس سے بحث کرتا ہے جو اوپر ہم نے بیان کی ان کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حاصل کرنے کے لئے جو حکم فرمایا ہے اس میں تمام مروجہ علوم فنون داخل ہیں اور اس سلسلہ میں مضبوط ترین دلیل ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ آپ نے فرمایا: "اطلبوا العلم ولو بالصین" کہ علم حاصل کرنے چین تک جاؤ اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چین میں دینی علوم تو تھے نہیں لہٰذا اس سے یقیناً دنیوی علوم مراد ہیں۔

اس مضمون کا مقصد ان روشن خیال حضرات کے دعویٰ اور ان کی بیان کردہ دلیل کا تجزیہ وتحقیق ہے اس لئے ہم اس سلسلہ میں تین چیزیں ذکر کریں گے:

(۱) بالصین سے مراد کیا ہے ملک چین یا کچھ اور؟

(۲) عربی قواعد کے حساب سے اس کا صحیح ترجمہ اور مطلب کیا ہے؟

(۳) اگر یہ حدیث ہے تو قوت وصحت کے اعتبار سے اس کا درجہ کیا ہے؟

پہلی بات یہ کہ بالصین سے کیا مراد ہے؟ آج کا دانشور سمجھا جانے والا طبقہ اس سے ملک چین مراد لیتا ہے کیونکہ عربی میں "چ" نہیں آتا اور عموماً اس کو "ص" سے بدل کر پڑھتے ہیں تو کیا واقعۃً بھی یہی ہے؟

علامہ شہاب الدین ابی عبداللہ حموی اپنی مشہور زمانہ تالیف "معجم البلدان" میں صین مادہ کے تحت لکھتے ہیں: "بحر مشرق میں ایک شہر ہے اور چین جغرافیائی اعتبار سے اقلیم اول میں واقع ہے آگے لکھتے ہیں: صین کوفہ میں ایک مقام ہے نیز اسکندریہ کے قریب بھی ایک جگہ ہے آگے لکھتے ہیں مفجع نے اپنی کتاب المنقذ میں لکھا ہے کہ صین کسرہ کے ساتھ دو ہیں ایک

اخی اور ایک اسفل اور واسط میں ایک مشہور شہر ہے اس کو صینیہ کہا جاتا ہے اسی کی طرف نسبت کر کے حسن بن احمد اپنے آپ کو صینی لکھتے ہیں۔" (معجم البلدان ۳/۴۴۰)

ان احتمالات کثیرہ کے ہوتے ہوئے بغیر کسی دلیل اور واضح اشارہ کے صین سے ملک چین مراد لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ بہت ممکن ہے کہ کوئی اور شہر مراد ہو لہٰذا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے اور اگر چین ہی مراد ہو تو عربی قواعد کے حساب سے اس کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ علم دین حاصل کرنے کے لئے آئندہ اگر تمہیں ملک چین جانا پڑے تو وہاں تک جاؤ' یعنی مراد اس سے بعد مسافت ہے کیونکہ چین عرب سے انتہائی مشرق میں اقلیم اول میں واقع ہے اور یہاں حرف "لو ان" کے معنی میں ہے جو مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے' لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ وہی ہوگا جو ہم نے بیان کیا' اور اس کی قرآن پاک اور احادیث میں بہت سی نظیریں ہیں۔ مثلاً ایک حدیث ہے "اعطوا السائل ولو جاء علی فرس" یعنی مانگنے والے کو دیدو چاہے وہ تمہارے پاس گھوڑے پر سوار ہو کر ہی مانگنے کیوں نہ آئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ یہ بات بہت بعید ہے کہ کوئی آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر مانگنے آئے لیکن اگر کبھی ایسا ہو تو تم اسے دیدینا۔

(۳) مگر یہ ساری تقریر اس وقت ہے جب کہ حدیث شریف ثابت اور صحیح ہو' لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی اس حیثیت کو بھی دیکھ لیا جائے۔

اس حدیث کو محدث ابن الجوزی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الموضوعات" میں تین طریقوں سے ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ ہذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ ﷺ...... وقال قال ابن حبان باطل لا اصل لہ۔ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور ابن حبان نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ

باقی صفحہ ۸ پر

آخری قسط

قادیانی نظریات

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نظر میں

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

بروز و تناسخ:

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریک ان کے "نظریہ بروز" پر قائم ہے۔ "بروزِ محمد' بروزِ عیسیٰ اور بروزِ کرشن" وغیرہ کی جو تشریحات انہوں نے سپرد قلم کی ہیں' وہ صاف صاف "تناسخ' حلول اور اواگون" سے جاملتی ہیں۔

یہ لفظ انہوں نے غالباً صوفیا سے مستعار لیا اور اس پر اپنی تعبیرات کا خول چڑھایا۔

"بروز" کے بارے میں بھی حضرت امام ربانی رحمہ اللہ نے متعدد جگہ اظہار خیال فرمایا ہے' یہاں صرف ایک اقتباس کا نقل کرنا اہل بصیرت کے لئے کافی ہوگا۔

صوفیا کے اصطلاحی "بروز" کی تشریح کرنے کے بعد امام ربانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"و مشائخ مستقیم الاحوال بعبارت کمون و بروز لب نمی کشایند و ناقصاں را در بلا و فتنہ نمی اندازند۔"

(دفتر دوم مکتوب:۵۸)

ترجمہ:...... "اور جو مشائخ کہ مستقیم الاحوال ہیں' وہ کمون و بروز کی عبارت کے ساتھ بھی لب کشائی نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلا اور فتنہ میں نہیں ڈالتے۔"

امام ربانی رحمہ اللہ کی اس تصریح کی روشنی میں فیصلہ کیجئے کہ مرزا قادیانی کے بروزی نعرے ان کی استقامت کی علامت تھے یا کجی اور فتنہ اندازی کا مظہر تھے؟ اور یہ ادعا کہ روح محمدی نے مرزا قادیانی کا روپ دھار لیا ہے (آئینہ کمالات) صریح طور پر ملحدانہ تعبیر ہے' جس کے حق میں حضرت مجدد رحمہ اللہ کے الفاظ میں بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

"افسوس! صد افسوس! آں قسم بطالان خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند' ضلوا فاضلوا۔"

(دفتر دوم مکتوب:۵۸)

ترجمہ:...... "افسوس! صد افسوس! اس قسم کے مکاروں نے پیری مریدی کی مسند اپنے لئے آراستہ کر رکھی ہے اور بزعم خود مقتدائے اہل اسلام بن بیٹھے ہیں' خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔"

(ختم شد)

☆☆............☆☆

کھانسی، نزلہ، زکام
کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرّب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی مؤثر تدبیر بھی

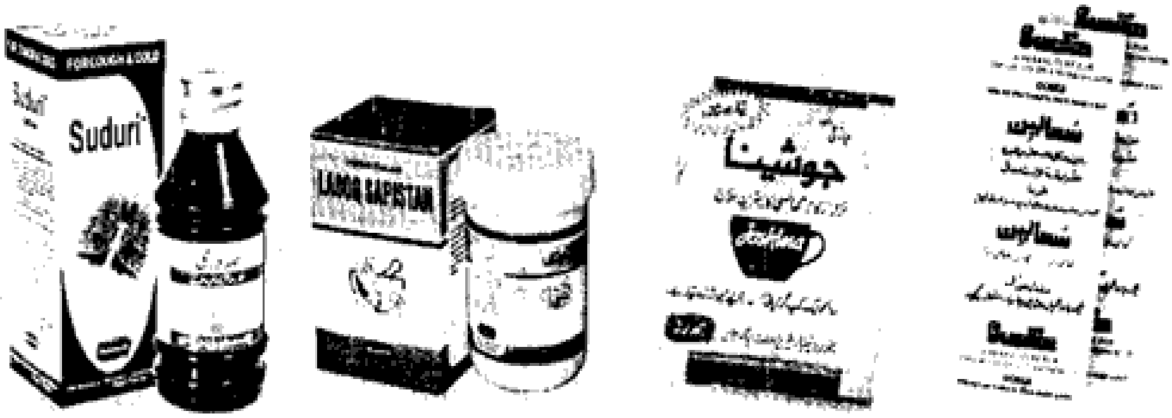

سُعالین

مُفید جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سُعالین گلے کی خراش اور کھانسی کا آسان اور مؤثر علاج۔ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سرد و خشک موسم یا گرد و غبار کے سبب گلے میں خراش محسوس ہو تو فوراً سُعالین چوسیے۔ سُعالین کا باقاعدہ استعمال گلے کی خراش اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔

جوشینا

نزلہ، زکام، فلو اور اُن کی وجہ سے ہونے والے بخار کا آزمودہ علاج۔ جوشینا کا روزانہ استعمال موسم کی تبدیلی اور فضائی آلودگی کے مضر اثرات بھی دُور کرتا ہے۔ جوشینا بند ناک کو فوراً کھول دیتی ہے۔

لعوق سپستاں

نزلے زکام میں سینے پر بلغم جم جانے سے شدید کھانسی کی تکلیف طبیعت نڈھال کر دیتی ہے۔ اس صورت میں صدیوں سے آزمودہ ہمدرد کا لعوق سپستاں، خشک بلغم کے اخراج اور شدید کھانسی سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔

ہر موسم میں، ہر عمر کے لیے

صُدوری

مؤثر جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ خوش ذائقہ شربت۔ خشک اور بلغمی کھانسی کا بہترین علاج۔ صدوری سانس کی نالیوں سے بلغم خارج کر کے سینے کی جکڑن سے نجات دلاتی ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔ بچوں، بڑوں سب کے لیے یکساں مُفید۔

شوگر فری صُدوری بھی دستیاب ہے۔

سُعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صُدوری ۔ ہر گھر کے لیے بے حد ضروری

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

Adarts-SJLS-1/2001

اللہ کی راہ میں خرچ کی فضیلت

اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ بھرنے ہی کی زندگی نہیں ہے' بلکہ معاشرتی' جماعتی اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری زندگی ہے اور جب تک ایک انسان نظامِ زندگی میں پورا نہیں اترتا' اسلامی زندگی کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ اس پر اس کے نفس کا حق ہے' رشتہ دار کا حق ہے' بیوی' بچوں کا حق ہے' ہمسایہ کا حق ہے پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اس کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور دینی سعادتیں موقوف ہیں۔

مومن وہ ہے جس کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے' پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یہ محض شیطانی وسوسہ ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کر دی' انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے۔ صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک مخصوص رقم ہے جو مخصوص مقاصد کے لئے سال میں ایک بار دینا پڑتی ہے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین عمل عطیات' صدقات و خیرات تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر اتنا خوش ہوتے جتنا لینے والا لے کر نہ ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جود و سخا میں یکتا تھے۔ اگر کوئی محتاج و ضرورت مند آ جاتا تو اپنے اوپر اس کو ترجیح دیتے اور ایثار سے کام لے کر کبھی کھانا' کبھی کپڑا عنایت فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مختلف عنوان سے عطا فرماتے' کبھی ہدیہ کے نام سے مرحمت فرماتے' کبھی

محترم ابوصالح

کسی سے کوئی چیز خریدتے پھر اس کو اس کا سامان اور قیمت دونوں ہی عنایت فرما دیتے۔

جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے تو ان میں وہ بھی جس کے پاس کچھ نہ تھا' خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے تو اس پر اس شدت سے عمل کیا کہ جو استطاعت نہ رکھتے تھے' وہ بھی بازار جا کر مزدوری کرنے لگے تاکہ جو رقم ہاتھ آئے وہ غریب و معذور بھائیوں کی اعانت میں خرچ کریں۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اگر تم کسی حاجت مند کی مدد کرو تو اس پر احسان مت دھرو کہ وہ شرمندہ ہو' بلکہ تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے تم کو یہ نعمت دی' اور اس کی توفیق بھی عنایت کی کہ تم اس کی راہ میں خرچ کرو' احسان جتانے سے وہ نیکی کا پیالہ ٹوٹ جائے گا۔ فرمان خداوندی ہے:

''تم اپنی خیرات کو احسان دھر کر یا طعنہ دے کر برباد نہ کرو۔''

ایک مخلص مومن کا عمل یہ ہونا چاہیے:

''ہم تم کو خدا کے لئے کھلاتے ہیں' ہم تم سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔''

درحقیقت دینے والے کو چاہئے وہ لینے والے کا شکر گزار ہو' اس لئے کہ اس نے لے کر دینے والے کو اس بارِ عظیم سے سبکدوش کر دیا' جو اس کے ذمہ لازم اور ضرورت تھا' چہ جائیکہ وہ احسان دھر کر اپنے عمل کو ضائع و برباد کرے اور مزید گناہ کا مستوجب ہو۔

صحابہ کرامؓ کا عمل:

انفاق فی سبیل اللہ کے معاملے میں صحابہ کرامؓ کا عجیب و غریب حال تھا۔ ان میں وہ بھی تھے جو کل کے لئے آج اٹھا کر رکھنا حرام سمجھتے تھے' جیسے حضرت ابوذرؓ اور وہ بھی تھے جو وقت پر اپنی تمام دولت اسلام کے قدموں پر لا کر ڈال دیتے

تھے' جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ایسے بھی تھے جو اپنی تجارت کا تمام سرمایہ خدا کی راہ میں بیک وقت لٹا دیتے تھے جیسے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور وہ بھی تھے جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے' جیسے حضرت علی مرتضیٰؓ بعض انصار کی خدا نے یوں مدح فرمائی:

"اور وہ اپنی ذاتی حاجت کے باوجود اپنا کھانا مسکین' یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں' اور اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' اگرچہ وہ خود حاجت مند ہوں۔"

یہ انسانیت نہیں درندگی ہے:

ایک شخص آرام و راحت کی زندگی بسر کرے اور اس کے پڑوس میں دوسرا شخص فقر و فاقہ اور بدحالی میں مبتلا ہو' نان شبینہ کا محتاج ہو اور گردش زمانہ پر آنسو بہا رہا ہو' یہ انتہا درجے کی حیوانیت ہے کہ اگر کسی کو دنیاوی ساز و سامان حاصل ہے تو وہ اپنے میں مست ہو' دوسروں کو بھول جائے' ان لوگوں کو فراموش کر دے جو اس کی بستی' اس کے شہر اور اسی کے آس پاس پریشان حالی میں زندگی گزار رہے ہوں۔ اسلام نے عطیات' صدقات و خیرات کے طریقے کو اسی لئے اختیار کیا ہے تاکہ دولت مند طبقہ کمزور اور غریبوں کی اعانت کرے اور ان کی پریشانیوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کی کوشش کرے' ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال کرے۔

معاشی اعتبار سے آج ساری دنیا کے مسلمانوں کی عموماً اور برصغیر کے مسلمانوں کی خصوصاً جو صورتحال ہے اور جس بحران کے وہ شکار ہیں وہ کسی پر مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے' خصوصاً وہ علاقے جہاں منظم سازش کے تحت فسادات رونما ہوئے' جس کے نتیجے میں انہیں زبردست جانی اور مالی بحران کا شکار ہونا پڑا' سینکڑوں ہی نہیں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن گئے' ہزاروں زخم خوردہ لئے بچے' اور بے یار و مددگار موت و زیست کی زندگی گزار رہے ہیں' ہزاروں گھر جلے' سینکڑوں دکانیں لوٹ لی گئیں' کاروبار ٹھپ پڑ گئے' لوگ دانے دانے کو ترس گئے' ایسے مسلمانوں کی ہر قسم کی امداد نہ صرف دینی بلکہ انسانی و اخلاقی فرض ہے۔

لیکن افسوس ملی ضروریات کے لئے ہمارے ہاتھ افلاس زدہ' قومی اداروں کے لئے ہماری جیبیں تنگ لیکن رسومات قبیحہ کے لئے ہمارے حوصلے بلند' ہمارے سینے فراخ ہیں اور ہم مفلس ہوتے ہوئے بھی امیر اور دولت مند' ہماری مسجدیں ویران' مؤذن کی اذان رائیگاں اور سینما ہال ہمارے وجود سے آباد اور تماشا گاہوں کی رونق ہمارے دم سے قائم' کیا اس طرح ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہوتی ہے یا ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمارا وجود ننگ و عار ہے اور جو کچھ رسوائی ہے اس کے ذمہ دار خود ہمارے اپنے کردار ہیں؟

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہ تو دنیا کی رسوائی اور سزا ہے' آخرت کی رسوائی و سزا تو اس سے کہیں زیادہ سخت ہے' دولت کے ان مجازی مالکوں اور امینوں کو یہ بتا دیا گیا کہ ان کو خدا کی عدالت میں اپنی دولت کے ایک ایک ذرے کا حساب دینا پڑے گا: "پھر اس دن تم سے تمہاری نعمت کا حساب پوچھا جائے گا" اس لئے ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنی دولت کو کہاں اور کس طرح صرف کرتے ہیں؟ ان لوگوں کو جو اپنے روپے کی تھیلیوں کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کو تنبیہ کی گئی:

"برائی ہو اس کی جو طعنہ دیتا اور عیب چنتا ہو' جو مال کو دبا کر رکھتا ہو اور اس کو گن گن کر خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے ساتھ سدا رہے گا' ہرگز نہیں۔"

ایک موقعے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رشک کرنا صرف دو آدمیوں پر جائز ہے: ایک تو اس پر جس کو خدا نے علم دیا ہے اور وہ اس کے مطابق شب و روز عمل کرتا ہے اور دوسرے اس پر جس کو مالک الملک نے دولت دی ہے اور وہ اس کو دن رات خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔"

جو لوگ مال کو سمیٹ کر رکھتے ہیں اس کے متعلق ارشاد ہے:

"جو لوگ سونا چاندی اور مال و دولت جمع کر کے رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم ان کو سخت اور دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔"

یہ دردناک اور سخت عذاب یہ ہوگا کہ ان کی دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ مال ہے جسے تم جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ

باقی صفحہ ۱۸ پر

شکر کی حقیقت

ابوفضیل احمد خان

’’شکر‘‘ کے حوالے سے قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

’’اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے‘ اس میں سے ستھری چیزیں (شوق سے) کھاؤ اور اگر خدا ہی کی عبادت کرتے ہو تو اس کا شکر ادا کرو۔‘‘

’’شکر‘‘ کی خصلت نفس انسانی کے کمال کی نشانی ہے اور نعمتوں کے زیادہ ہونے اور ہمیشہ رہنے کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

’’شکر‘‘ مخلوق پر اپنے خالق کا ایک فریضہ ہے کہ خداوند عالم نے اسے کتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

’’شکر‘‘ صرف منعم حقیقی کی بے نیازی کا اعتراف ہی نہیں‘ بلکہ اس کا فائدہ شکر کرنے والے کو بھی ملتا ہے‘ کیونکہ انہوں نے ان نعمتوں کو اس کی رضا اور خوشنودی پر خرچ کیا ہے اور یہی بات ان کی زندگی کی سعادت ہے‘ اسی لئے قرآن و حدیث میں شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

سورۂ سبا میں ارشاد خالق دو جہاں ہے:

’’اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت اور اس کی رحیم و کریم ربوبیت کی ایک منور نشانی ہے‘ مگر ان ہی کے لئے جن کے دل صاحب ایمان ہیں‘ ورنہ جن کے دلوں میں کفر کے اندھیرے راج جما چکے ہیں‘ انہیں اللہ تعالیٰ کی کوئی رحمت دکھائی نہیں دیتی۔ یہ لوگ دینوی ترقی پر فخر و تکبر کرتے ہیں اور بغاوت کے علمبردار بن جاتے ہیں‘ ضروری نہیں کہ سرکشی کے نتائج فوراً آشکارا ہوں‘ لیکن اس کا انجام بہر حال تباہی ہے۔ انسان کو امن و سلامتی کی زندگی بھی نصیب ہو سکتی ہے‘ وہ اس صورت کہ وہ نیت و ارادے اور قول و فعل سے اپنے رب کے لئے سراپا شکر بن جائے‘ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو بھی تسلیم کرے کہ اس نے اسے شکر گزاری کی توفیق دی۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

’’اللہ نے جس شکر کا دروازہ کھولا اس پر نعمت کی زیادتی کا دروازہ بھی کھول دیا۔‘‘

انسان شکر کا اظہار کرے یعنی اللہ کی ربوبیت کو مانے‘ عبادت کرے‘ سیدھے راستے پر چلے اور اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے سامان کو اس کی منشا و رضا کے موافق کام میں لائے‘ کتنے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں‘ اس کی بخشی ہوئی متاع کو ڈھنگ سے استعمال کرتے ہیں اور دوسروں کو اس سے بہرہ مند کرتے ہیں۔ قرآن میں اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ تھوڑے بندے شکر کا حق ادا کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے مثال رحمت اور ربوبیت کے پیش نظر انسان کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے‘ لیکن بہت تھوڑے لوگ اس فرض کو پوری طرح انجام دیتے ہیں۔

’’شکر‘‘ کے تین درجے ہیں‘ جن کا مدار نیت کے فرق پر ہے:

۱:......اللہ تعالیٰ کا صرف اس لئے شکر ادا کرنا کہ اس نے کوئی دینوی یا روحانی نعمت عطا کی ہے۔

۲:......اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے کرم کا ثبوت سمجھنا اور اس بات پر شکر ادا کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی میرے حال پر توجہ ہے اور وہ مزید فضل و کرم کرے گا۔

۳:......اس بات پر شکر گزار ہونا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت نے میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بڑھا دی ہے‘ میرا دل اس کی طرف اور زیادہ جھک گیا ہے‘ اس نعمت کو جائز کام میں لا کر مجھے اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل ہوگا۔ یہی وجہ شکر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے‘ اسی کو نصب العین بنانا چاہئے۔

’’شکر‘‘ اخلاق کا بنیادی ہی نہیں‘ دائمی عنصر بھی ہے۔ صبر‘ تحمل‘ اچھے اخلاق وغیرہ بعض اخلاق کی اہمیت صرف اس دنیا تک محدود ہے لیکن شکر وہ فضیلت ہے جو آخرت میں بھی مقصود ہے‘ جنت کے مکین دنیا کی آلودگیوں اور تفکرات سے آزاد رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے‘ اس وقت رہ رہ کر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے۔

سورۂ یونس آیت ۸ اور ۱۰ میں ارشاد

ربانی ہے:

’’بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے‘ انہیں ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب منزل مقصود تک پہنچادے گا کہ آرام وآسائش کے باغوں میں رہیں گے اوران کے نیچے نہریں جاری ہوں گی‘ ان باغوں میں ان لوگوں کا بس یہ قول ہوگا: اے پروردگار! تو پاک وپاکیزہ ہے اوران کی باہمی ہم کلامی سلام سے ہوگی اوران کا آخری قول یہ ہوگا کہ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔‘‘

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ’’جب اللہ اپنے کسی بندے کو نعمت عطا فرمائے خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی اوروہ کہے: الحمدللہ! تو اس نے اس نعمت کا پوراپورا شکرادا کردیا۔‘‘

شکر کی دو شرائط ہیں: (۱) قناعت واطمینان (۲) تواضع۔

قناعت واطمینان:

وہی بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس کرسکتا ہے جو ادنیٰ خواہشات کا غلام نہ ہو‘ حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا‘ اسے ہمیشہ مزید کی طلب رہتی ہے بجائے شکر کے وہ اپنی بے نصیبی یا کم بختی کا رونا روتا ہے۔ قناعت کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: یہ مال سرسبز وشیریں ہے‘ جو شخص اسے بے طمعی سے حاصل کرے وہ برکت پاتا ہے اور جو شخص اسے طماعی (لالچ) سے حاصل کرے‘ اس کے لئے اس میں برکت نہیں‘ حریص اور لالچی شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھاتا جائے اوراس کا جی نہ بھرے۔

قناعت سب سے بڑی دولت ہے‘ یہ دولت انسان کے اندر شکر کا مادہ پیدا کرتی ہے‘ طمع انسان کو ہمیشہ بے قرار اور ناشکرا رکھتی ہے۔

تواضع:

شکر اور تکبر ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتے۔ متکبر انسان دوسرے کا احسان ماننے میں کسرشان سمجھتا ہے۔ شکر کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے محسن کی کچھ نہ کچھ فضیلت تسلیم کرے لیکن تکبر اس کو مانع آتا ہے‘ تکبر انسان کے دل پر پردہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ حق کی شعاعوں کو روک دیتا ہے۔ مغرور شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے‘ جب تک قناعت کی زمین کو تواضع کے پانی سے نہ سینچا جائے‘ شکر کی فصل پیدا نہیں ہوسکتی۔

انسان دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کرے کہ میرے پاس ہر نعمت اسی مالک کی دی ہوئی ہے۔ پاکیزہ اور اچھے نفوس کی صفت یہی ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر ہر وقت شکر کرتے ہیں‘ جب وہ شکر کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے حقدار بنتے چلے جاتے ہیں۔

شکر کے خصائص میں سے یہ ہے کہ اپنے منعم حقیقی‘ پروردگار کا نعمتوں کی فراوانی پر شکر ادا کرے۔ کفران نعمت کی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان منعم حقیقی سے زوال نعمت پر ناراض ہوجائے۔ جب یہ صفات پیدا ہوگئیں تو اب شکرادا کرنے کی تین اقسام ہیں: (۱) قلبی شکر‘ (۲) زبانی شکر‘ (۳) عملی شکر۔

قلبی شکر سے مراد یہ ہے کہ انسان کے دل میں اس کے محسن کا حقیقی اعتراف ہو‘ محض دکھاوے کے لئے شکر کا اظہار نہ کرے‘ تہ دل سے اس کا شکر گزار ہو اور اس سے ایک قلبی ربط اور انس ومحبت پیدا کرے‘ شکر کا سرچشمہ دل ہے‘ دل میں شکر نہ ہو تو زبانی اقرار محض فریب ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: تم جب کسی شخص کو کسی دکھ میں مبتلا پاؤ تو اسے سنائے بغیر تین مرتبہ کہو: ’’تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں‘ جس نے مجھے اس سے محفوظ رکھا‘ جس میں تو مبتلا ہے‘ اگر وہ چاہے ایسا بھی کرسکتا ہے‘ جو شخص ایسا کہے گا‘ وہ کبھی بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوگا۔

زبانی اظہار بھی ضروری ہے‘ بعض خود پرست افراد اپنی انا کی وجہ سے زبانی شکر کو سنگ گراں سمجھتے ہیں اور وہ اس میں اپنی تذلیل سمجھتے ہیں‘ لیکن شکر کا جذبہ جب ہی پنپ سکتا ہے‘ جب انانیت کو ختم کیا جائے‘ دل سے اپنے محسن کا شکرادا کرنا اس قدر مشکل نہیں‘ جتنا اس کا برسر عام اعتراف مشکل ہے‘ اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہئے کہ اگر جان بوجھ کر زبانی شکر سے گریز کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قلبی شکر بھی بے کار ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: ’’جس بندے پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت نازل کی اور اس نے اپنے دل سے اس کی معرفت حاصل کی اور خدا کی حمد کی اپنی زبان سے تو اس کا کلام تمام ہوتے ہی خدا زیادتی نعمت کا حکم دیتا ہے۔

عملی شکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانا اور اعضاء کو اللہ کی نافرمانی سے بچانا‘ عملی شکر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انسان نعمت کے حصول پر سجدۂ شکر ادا کرے‘ یہ بھی ایک صورت ہے مختصر یہ کہ لفظ شکر کی دنیا بہت وسیع ہے اور انسان کے پورے کردار کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے‘ حق پرستی شکر ہے اور باطل پرستی کفران نعمت ہے۔

☆☆......☆☆

بیادِ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ

علم وحکمت‘ زہد وتقویٰ کا نشاں رخصت ہوا

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید انور مدظلہ

بزم سونی ہوگئی وہ میہماں رخصت ہوا — چھا گئی ظلمت کہ ماہِ درخشاں رخصت ہوا

عام ہے ہر سُو خزاں بس موسمِ گل اب کہاں — ساتھ لے کے وہ بہارِ جاوداں رخصت ہوا

ملتِ بیضا کا ہاں وہ نامور یکتا سپوت — چھوڑ کر دنیا سوئے خُلدِ جناں رخصت ہوا

وہ محدث‘ وہ مفکر‘ وہ فقیہ و راہنما — زینتِ علم و عمل فخرِ زماں رخصت ہوا

علمِ انور شاہؒ کا وارث تھانویؒ کا خرقہ پوش — بزمِ عالم سے وہ بحرِ بے کراں رخصت ہوا

مسندِ رشد و ہدایت اب نہ تجھ کو پائے گی — علمِ وحکمت‘ زہد و تقویٰ کا نشاں رخصت ہوا

اب نہ ڈھونڈے بھی ملے گا حشر تک اس کا مثیل — تھا زمانہ میں یکتا بے گماں رخصت ہوا

کون دیگا درسِ عبرت کون سمجھائے گا راہ — وہ بصائر کا‘ عبر کا نکتہ داں رخصت ہوا

مجلس ختم نبوت جس کے دم سے بن گئی — دیکھتے ہی دیکھتے سیلِ رواں رخصت ہوا

قادیانیت کے سر پر ضرب سے جس کی مٹا — فتنہ مردود کا نام و نشاں رخصت ہوا

تو نظامِ مصطفیٰ کے خواب کی تعبیر تھا — دے کے کونسل کو ہدایت کے نشاں رخصت ہوا

موتِ عالم موتِ عالَم ہے مسلم فیصلہ — اِک ترے جانے سے گویا کل جہاں رخصت ہوا

تجھ کو نہ پاکر جہاں جائیں گے پروانے ترے — نورِ علم معرفت کا شمع داں رخصت ہوا

جس نے پھیلائے زمانے بھر میں انوارِ علوم — آہ! انور شاہؒ کا وہ ترجماں رخصت ہوا

اے خدا تو اس کا مرقد نور سے معمور کر
جو منوّر کرکے یہ سارا جہاں رخصت ہوا

مرسلہ: حافظ محمد سعید لدھیانوی

عالمی مجلس
تحفظ ختم نبوت سے تعاون

شفاعتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ

- پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب
- قادیانیوں کو دعوتِ اسلام
- سینکڑوں مبلغین کے ذریعہ قادیانی سرگرمیوں کا سدباب
- عدالتوں میں قادیانیت کے متعلق مقدمات کی پیروی
- سینکڑوں مساجد و مدارس کے ذریعہ مبلغین کی تیاری
- دفاتر ختم نبوت، دار التصنیف اور لائبریریوں کا قیام
- قادیانیت سے تائب ہونے والے مسلمانوں کی نگہداشت
- ہفت روزہ ختم نبوت کے ذریعہ قادیانیت کا قلمی پوسٹ مارٹم

ان تمام صدقاتِ جاریہ میں شرکت کے لئے

زکوٰۃ، صدقات، خیرات، فطرہ، عطیات عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کو عنایت فرمائیں

ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

فون، 4583486-4514122 فیکس: 4542277

اکاؤنٹ نمبر: 3464 یو بی ایل حرم گیٹ برانچ، ملتان۔

جامع مسجد باب الرحمت، پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

فون: 2780337 فیکس: 2780340

اکاؤنٹ نمبر: 8-363 اور 2-927 الائیڈ بینک، بنوری ٹاؤن برانچ

نوٹ: مجلس کے مرکزی دفاتر میں رقوم جمع کرا کے مرکزی رسید حاصل کر سکتے ہیں

نوٹ: رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تاکہ شرعی طریقے سے مصرف میں لایا جا سکے

اپیل کنندگان:

(مولانا) خواجہ خان محمد
امیر مرکزیہ

سید نفیس الحسینی
نائب امیر مرکزیہ

(مولانا) عزیز الرحمن
ناظم اعلیٰ